کو بھی جانتا ہے۔ اور آپؐ کے خلوص اور طہارت باطن سے بھی واقف ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان معیاری اور عند اللہ مقبول تھا۔ اور وہ ہدایت یافتہ تھے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا ہدایت یافتہ ہونا ان جیسا ایمان لانے پر موقوف کیا گیا ہے۔ ۲۶۲ یہ منصوب ہے اور اس کا عامل محذوف ہے۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا کی مناسبت سے یہاں قَبِلْنَا کو حذف ماننا زیادہ موزوں ہے۔ ای قبلنا صِبْغَةَ اللّٰهِ اور صِبْغَةَ اللّٰهِ سے مراد دین توحید اور ملتِ حقہ ہے۔ نصرانی اپنے بچوں اور ان کے مذہب میں داخل ہونے والوں کو ایک خاص قسم کے زرد رنگ میں نہلایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ اب یہ پاکیزہ اور پکا نصرانی بن گیا ہے اور گناہوں سے پاک ہو گیا ہے اس فعل کو وہ بپتسمہ کہتے ہیں تو اس کے جواب میں مسلمانوں کو ارشاد ہوا کہ تم کہو کہ ہم نے تو اللہ کے دین اور اس کی توحید کا رنگ قبول کر لیا ہے جس سے ہر قسم کی نجاست دور ہو جاتی ہے۔ ۲۶۳ یہاں استفہام انکار کے لئے ہے یعنی اللہ کے رنگ سے کسی کا رنگ اچھا نہیں اللہ کا رنگ تو اسلام اور توحید کا رنگ ہے۔ جسے قبول کر لینے سے ظاہر و باطن طاہر و طیب ہو جاتا ہے۔ اور اس مصنوعی اور بناوٹی رنگ میں یہ خوبی کہاں؟

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ
اب کہیں گے بیوقوف ۲۶۵ لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے
الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ
جس پر وہ تھے ۲۶۶ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب ۲۶۷
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذٰلِكَ
چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ ف۱ اور اسی طرح
جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
کیا ہم نے تم کو امتِ معتدل ۲۶۸ تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا
اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا ۲۶۹ ف۲ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے
الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ
وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا ۲۷۰ مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا
الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ
رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں ۲۷۱ ف۳ اور بے شک یہ بات
لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں
لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾
کہ ضائع کرے تمہارا ایمان ۲۷۲ بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے ف۴
قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً
بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف ۲۷۳ سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ
تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ
کی طرف تو راضی ہے ۲۷۴ اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ

منزل ۱

۱ رسالت کا پہلا شبہ ۱۲
۲ شبہ کا جواب پہلی اجمالی علت کے ساتھ ۱۲
۳ جواب شبہ کی تفصیلی علت کے ساتھ اور کافی بیان کمال کے لئے ہے ۱۲

وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ہم نے اللہ کے دین اور توحید کے رنگ کو قبول کر لیا ہے۔ اس لئے ہم تو ہر قسم کی عبادت صرف اللہ ہی کے لیے بجا لائیں گے تمام مالی، بدنی اور زبانی عبادتیں اسی کے ساتھ مخصوص کریں گے۔ اسی کی نذریں منتیں دیں گے۔ اسی کے سامنے سجدہ کریں گے۔ اور اسی کو پکاریں گے۔ یہ جملہ قبل کا خلاصہ اور مقصود ہے۔ ۲۶۴ یہ خطاب یہود و نصاریٰ سے ہے اور فی اللہ میں مضاف محذوف ہے۔ ای فی دینہ او القرب منہ (قرطبی ص۱۴۴ ج۲)

حضرت شیخ نے فرمایا یعنی تم ہم سے اللہ کے دین اور اس کی توحید کے بارے میں جھگڑتے ہو کہ اللہ کا سچا دین یہودیت اور نصرانیت ہے اور حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کے نائب اور مختار اور متصرف مانے بغیر خدا راضی نہیں ہو سکتا۔ نیز ہم چونکہ اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ اس لئے ہم خدا سے زیادہ قریب ہیں۔ قالوا نحن اولی باللہ منکم لانا ابناء اللہ واحباؤہ (قرطبی ص۱۴۳ ج۲) وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ۔ لیکن یہ تمہارا جھگڑا بالکل لغو ہے۔ اس لئے کہ جس طرح وہ تمہارا رب ہے اسی طرح وہ ہمارا رب ہے۔ ہمارا تمہارا پروردگار اور آقا وہی ہے، اس کے سوا کوئی آقا اور داتا نہیں اور اس کی ربوبیت کسی قوم اور قبیلے کے ساتھ مخصوص بھی نہیں ہے۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ خدا کا قرب تو انسان کو اس کے اعمال کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس کے اعمال شرک اور ریاء سے پاک ہوں گے تو مقبول ہوں گے۔ اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو گا۔ اور اگر اس کے اعمال شرک کی نجاست سے آلودہ ہوں گے تو وہ راندۂ درگاہ ہو گا اور سیدھا جہنم میں جائے گا وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اس لیے ہم تو اپنے اعمال کو محض خدا کی رضامندی کے لیے بجا لاتے ہیں۔ اور ان کو شرک اور ریاکاری سے پاک رکھتے ہیں۔ قال سعید بن جبیر الاخلاص ان لا تشرک فی دینہ ولا ترائی احدا فی عملہ (روح ص۳۹۹ جلد ۱)۔ یہ جملہ بھی مقصودی ہے۔ یہاں تین مقصودی جملے یکے بعد دیگرے آئے ہیں۔ یعنی نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ اور نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ مقصد یہ ہے کہ اے ایمان والو اس بات کا اعلان کر دو کہ ایمان تو ہم تمام پیغمبروں پر لائے ہیں اور سب کی نبوت کا اقرار کیا ہے۔ لیکن جھکیں گے صرف اللہ کے آگے اور عبادت بھی صرف اسی ہی کی کریں گے اور پکاریں گے بھی خالصًا صرف اسی ہی کو ان کلموں

موضح قرآن ف۱ حضرت جب مکے سے مدینے آئے ایک سوا برس نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف پھر حکم آیا کہ پڑھو کعبے کی طرف تب یہود اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکائے سے شبہے لگے ڈالنے کہ وہ قبلہ تھا سب نبیوں کا اس کا چھوڑنا نشان بنی کا نہیں اللہ تعالیٰ نے آگے ہی فرمایا کہ لوگ کہیں گے ف۲ یعنی جس طرح ان دونوں باتوں میں دیکھا کہ تمہارے پاس ہے پوری بات اور مخالفوں کے پاس ناقص ایک یہ کہ تم سب نبیوں کو مانتے ہو اور یہود اور نصاریٰ کسی کو نہیں دوسرا یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ ہے کہ ابراہیم کے وقت سے مقرر ہوا ہے۔ ابراہیم پیشوا ہے سب کا۔ اور یہود اور نصاریٰ کا قبلہ پیچھے ثابت ہوا اسی طرح ہر بات میں تم پورے ہو اور وہ ناقص ان کو حاجت ہے کہ تم بتاؤ اور تم کو حاجت نہیں کہ کوئی بتاوے ف۳ یعنی تمہارا قبلہ ابراہیم کے وقت سے کعبہ مقرر ہے اور چندے وزیت المقدس ٹھہرایا۔ ایمان آزمانے کو اور اس میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کو بڑا درجہ ہے۔

فتح الرحمان ف۱ یعنی آنچہ در سابق علم الٰہی مقرر شد آنست کہ قبلہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ باشد و توجہ بہ بیت المقدس یک چند بنا بر حکمت امتحان است ۱۲

میں کسی پیغمبر کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے۔ **۲۶۵ھ** جب یہود و نصاریٰ کو ہر طرح کے دلائل سے لاجواب کر دیا گیا اور کہا گیا کہ اگر توحید معیارِ صداقت ہے تو ہم موحّد ہیں۔ اور اگر اتباع معیارِ حق ہے تو ہم تمام انبیاء پر ایمان لاتے اور ان کے پیغام توحید کو مانتے ہیں۔ مگر جب ان سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو انھوں نے یہ غلط پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ کہ پہلے تمام انبیاء علیہم السلام تو ان کے مذہب پر تھے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ سب یہودی تھے اور نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ وہ سب نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے بطور زجر فرمایا کہ کیا اب تم یہ کہتے ہو کہ تمام انبیاء علیہم السلام تمہارے مذہب پر تھے اور تمہاری طرح عیاذاً باللہ مشرک تھے۔ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ

جوابِ شکوہ | کیا ان انبیاء کے دین اور مذہب کو تم خدا سے زیادہ جانتے ہو، ظاہر ہے کہ اللہ کا علم تم سے زیادہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پہلے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام کا دین دینِ اسلام تھا اور وہ سب کے سب توحید پر قائم تھے۔ اور مشرک نہیں تھے **۲۶۶ھ** یہ اہل کتاب کے لیے زجر ہے اور شکوہ کا جواب بھی ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے اور شہادت سے اللہ تعالیٰ کی وہ شہادت مراد ہے جو تورات اور انجیل میں موجود ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام توحید پر تھے اور مذاہب باطلہ سے کوسوں دور تھے۔ شهادة التوراة والانجيل على الانبياء كانوا على التوحيد والحنيفية (کبیر ص۔۔۔ ج ۱)

یعنی سب سے بڑا ظالم وہ ہے جس نے اللہ کی اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس موجود ہے۔ جیسا کہ یہود اور نصاریٰ نے کیا۔ ان کے پاس تورات و انجیل میں انبیائے کرام کے توحید پرست ہونے کی شہادت موجود تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے ان کو یہودی اور نصرانی ظاہر کیا۔ **۲۶۷ھ** یہ ان کے لیے وعید شدید ہے کہ اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں، انبیائے کرام پر تمہارے غلط افتراءات اور خدا کی شہادت کا کتمان اور تمہارے دوسرے اعمال سب اس کی نظر میں ہیں وہ تمھیں اس کی پوری پوری سزا دے گا۔ **۲۶۸ھ** یہود اور نصاریٰ کے دلوں میں اپنے آباؤ اجداد پر فخر و غرور مضبوطی سے بیٹھ چکا تھا۔ اور وہ اپنی نجات کے لیے بس اپنے اسلاف ہی کے اعمال کو کافی سمجھتے تھے اس لیے ان کے اس بے فائدہ فخر کو توڑنے کے لیے اور انھیں اس غلط خیال کے بدانجام سے ڈرانے کے لیے اس آیت کا اعادہ کیا گیا تکریر لما تقدم للمبالغة فى التحذير عما استحكم فى الطباع من الافتخار بالآباء والاتكال عليهم (روح ص۔۔۔ ج ۱)

یہاں تک توحید و رسالت کے نقلی دلائل کا بیان تھا اب آگے رسالت کے متعلق یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

پہلا شبہ | جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس وقت آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ سولہ یا سترہ ماہ بعد آپ کو خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل گیا۔ تحویل قبلہ کا حکم دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بطور پیش گوئی آپ کو بتا دیا کہ مستقبل قریب میں جب آپ کو تحویل قبلہ کا حکم ملے گا اس وقت احمق اور بیوقوف لوگ اس بات پر اعتراض کریں گے کوئی کہے گا کہ اس نے بیت المقدس کو جو تمام انبیاء کا قبلہ تھا چھوڑ دیا ہے اس لیے یہ پیغمبر نہیں، کوئی کہے گا کہ بیت المقدس سے بیت اللہ کا رخ کیا ہے شاید وطن کی یاد نے ستایا ہے اور دیکھو عنقریب مدینہ چھوڑ کر مکہ واپس آنے والا ہے غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ یا اعتراض کا جواب دیا ہے **۲۶۹ھ** **یقول** کو بعض مفسرین نے ماضی کے معنوں میں لیا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے بعد نازل ہوئی لیکن جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سَيَقُوْلُ مستقبل کے لیے ہے اور یہ آیت تحویل قبلہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے بے وقوفوں کے اعتراض کی پہلے ہی سے آپ کو اطلاع دے دی تھی۔ سيقول ظاهر فى الاستقبال وانه اخبار من الله تعالىٰ نبيه صلى الله عليه وسلم انه بصدر منهم هذا القول فى المستقبل وذلك قبل ان يؤمروا باستقبال الكعبة (بحر ص۔۔۔ ج ۱) السفهاء سے بعض نے یہود مراد لیے ہیں۔ اور بعض نے مشرکینِ مکہ اور بعض نے منافقین ـــــ لیکن لفظ اپنے عموم کے لحاظ سے سب کو شامل ہے اس لیے اسے عموم پر محمول کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ یہ سب دشمن تھے تحویل قبلہ کی آڑ میں موقع پا کر سب نے اعتراضات کیے تھے۔ اه منوب ان يكون الكل قد قال ذلك لان الاعداء مجبولون على القدح والطعن فاذا وجدوا مجالا لم يتركوا مقالا (کبیر ص۔۔۔ ج ۱) **۲۷۰ھ** یہ سُفَهَآءُ کا مقولہ ہے اور مَا استفہامیہ ہے اور استفہام طنز اور استہزاء کے لیے ہے۔ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ استهزاء وانب لمسلمين (قرطبی ص۔۔۔ ج ۲) قبلتهم سے مراد بیت المقدس ہے جو پہلے مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ یعنی کم عقل اور احمق لوگ اعتراض کریں گے۔ اور بطور طنز کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو اپنے پہلے قبلہ سے کس چیز نے ہٹا دیا ہے؟ یعنی ایک طرف تو یہ شخص پہلے انبیاء کے اتباع کا دعویٰ کرتا ہے۔ دوسری طرف انبیاء کا قبلہ چھوڑ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حیران و سرگرداں ہے اور اس پر حق مشتبہ ہو گیا ہے۔ ان کے اس اعتراض کے اللہ تعالیٰ نے چار جواب دیئے ہیں۔ دو اجمالی اور دو تفصیلی ـــ اس اعتراض کے جوابات کا سلسلہ انیسویں رکوع میں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ تک چلا گیا ہے۔ **۲۷۱ھ** پہلا اجمالی جواب یعنی تمام سمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اور کسی سمت میں کوئی تقدس نہیں رکھا ہوا۔ وہ جس طرف چاہے منہ کرنے کا حکم دے دے۔ اور ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو ادھر منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملا ہے تو اس حکم کی تعمیل کریں گے کیونکہ اس کے احکام کی تعمیل ہی اصل ہدایت ہے۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ اور اس کا ہر حکم سیدھی راہ ہے **۲۷۲ھ** مفسرین نے کذالک کو تشبیہ کیلئے قرار دیا ہے لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ کذالک یہاں تشبیہ متعارف کے لیے نہیں ہے لہٰذا مشبہ اور مشبہ بہ مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بیانِ کمال کے لیے ہے۔ وسط کے معنی خیار اور بہترکے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اس طرح ہم نے تم کو بہترین اور خیر امت بنا دیا ہے یعنی یہ ہمارا کمال ہے اسی طرح اور بھی کئی جگہوں میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ بیانِ کمال کیلئے ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (رعد ع ۵)، یعنی قرآن کو ایسا حکم عربی بنانا ہمارا کمال ہے۔ چونکہ دنیا کی رہنمائی اور پیشوائی تمہارے سپرد ہونے والی ہے اس لیے کعبہ کو جو جغرافیائی اعتبار سے ساری دنیا کے سینٹر میں واقع ہے تمہارا مرکز بنا دیا ہے۔ **۲۷۳ھ** یہ مرکزیت تمہیں اس لئے عطا کی ہے تاکہ میرا پیغمبر تم کو میری توحید بتلائے۔ اور میرے احکام سے تم کو آگاہ کرے اور تم دوسرے لوگوں کو توحید بتاؤ اور ان تک میرے احکام پہنچاؤ۔ اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے۔ اور شہداء، شہید کی جمع ہے۔ جو شہادۃ سے ماخوذ ہے۔ جن کے معنی ہیں بیان کرنا اس لئے شہید اور اسی طرح شاہد کے معنے ہوں گے اللہ کی توحید بیان کرنے والا اور راہ حق بتانے والا۔ جیسا کہ علامہ ابن صفی حنفی نے لکھا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا اللہ بالوحدانیۃ (جامع ص۔۔۔ ج ۲) یعنی آپ کو ہم نے توحید بیان کرنے والا بنا کر بھیجا اسی طرح سورہ مائدہ میں وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ کے تحت علامہ موصوف لکھتے ہیں رقباء لئلا يبدل (جامع ص۔۔۔) یعنی علماء یہود تورات کے محافظ تھے کہ اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے سورہ مزمل میں شَاهِدًا کا ترجمہ بتانے والا کیا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ (ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا۔ شاہ عبد القادر) لیکن شرک پسند اور بدعت نواز مولوی کہتے ہیں کہ یہاں شہید کے معنی گواہ کے ہیں اور گواہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو امت پر گواہ فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر امتی کے ساتھ موجود ہوتے ہیں اور ان کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھتے ہیں ورنہ گواہ نہیں بن سکتے تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہیں۔

پہلا جواب | لفظ شہید یہاں بمعنی گواہ نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے جامع البیان اور ترجمہ موضح قرآن کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں شہید کے معنی بیان کرنے والے اور بتانے والے کے ہیں۔ اور سیاق و سباق کے اعتبار سے بھی یہی معنی موزوں ہیں کیوں کہ اسی آیت میں صحابہ کرام کے لئے بھی لفظ شہداء استعمال کیا گیا ہے اور یہ لفظ بعینہٖ وہی مفہوم ادا کر رہا ہے۔ جو سورہ آل عمران رکوع ۳ میں ایک پوری آیت میں بیان کیا گیا ہے یعنی كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

دوسرا جواب اگر مان لیا جائے کہ اس آیت میں شہید بمعنی گواہ ہی ہے لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ گواہ صرف وہی شخص بن سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے کیونکہ فقہائے حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گواہی کے لئے واقعہ کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ الآیۃ یہاں اس شخص کو شاہد (گواہ) فرمایا جس نے زلیخا کی دست اندازی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ محض علامات کی بنا پر گواہی دی تو معلوم ہوا کہ گواہی کے لیے مشاہدہ ضروری نہیں اسی طرح اگر ایک شخص موقعہ پر موجود نہ ہو۔ لیکن واقعہ کی خبر اس تک کسی ایسے معتبر اور باوثوق ذریعہ سے پہنچ جائے جس سے اس کو واقعہ کی صداقت کا یقین ہو جائے تو اس کیلئے گواہی دینا جائز ہے۔ چنانچہ ہدایہ ج ۳ صفحہ ۱۵۱ پر ہے انما یجوز للشاهد ان یشهد بالاشتهار وذلك بالتواتر اواخبار من یثق به

تیسرا جواب شہید کے معنی یہاں نگہبان اور رقیب کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ خدا کا رسول تم پر (یعنی صحابہ کرام پر) نگہبان ہو تاکہ تم دین اسلام سے نہ ہٹنے پاؤ اور دین میں تحریف نہ ہونے پائے۔ اور تم ان لوگوں پر نگہبان ہو جو تم سے دین سیکھیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں دیکھوں گا۔ کہ میری امت کے کچھ لوگ لائے جا رہے ہوں گے لیکن قبل اس کے کہ وہ مجھ تک حوض کوثر پر پہنچیں انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں۔ تو مجھے جواب ملے گا کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے آپ کو معلوم نہیں تو:۔

فاقول كما قال العبد الصالح وكنتُ عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم (صحیح بخاری صفحہ ۶۶۵) میں اس کے جواب میں وہی کچھ کہوں گا جو اللہ کا نیک بندہ عیسیٰ علیہ السلام کہے گا۔ کہ جب تک میں ان میں موجود تھا ان پر نگران رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے خود بیان فرما دیا کہ جب تک میں ان میں موجود رہا ان کے حالات سے آگاہ رہا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا گواہ ہونا صحابہ کے لیے ہے اور ہر امتی پر آپ گواہ نہیں ہیں اور نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

چوتھا جواب یا گواہ سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن آپ کی امت پہلی امتوں پر گواہی دے گی کہ ان کے پیغمبروں نے ان کو اللہ کے احکام پہنچائے ہیں اور آپ اپنی امت پر تبلیغ رسالت کی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں۔ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ لتكون هذه الامة شهداء على الناس ان الرسل قد بلغتهم ويكون الرسول على هذه الامة شهيدا ان قد بلغ ما ارسل به (ابن جریر صفحہ ۲ ج ۲) جیسا کہ حدیث میں ہے۔ يجاء بنوح عليه السلام يوم القيامة فيقال له هل بلغت فيقول بلغت يعنى نعم يا رب فيسئل امته هل بلغكم فيقولون ما جاءنا من نذير فيقال من شهودك فيقول محمد وامته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيجاء بكم فتشهدون (صحیح البخاری صفحہ ۶۵۵ ج ۲) یعنی قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام سے سوال ہوگا کیا تو نے میرے احکام اپنی امت تک پہنچائے تو وہ جواب دیں گے کہ اے میرے رب میں نے پہنچا دیئے۔ پھر اللہ تعالےٰ ان کی امت سے سوال فرمائے گا کیا اس نے تم کو میرے احکام پہنچائے تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ تو حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا۔ تیرے گواہ کون ہیں تو وہ جواب دیں گے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میری گواہ ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا چنانچہ پھر تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ قوم نوح امت محمدیہ پر اعتراض کرے گی کہ تم کس طرح گواہی دے سکتے ہو تم اس وقت موجود ہی نہیں تھے۔ تو امت محمدیہ جواب دے گی ان الله تعالىٰ بعث الينا رسولا وانزل عليه الكتاب فكان فيما انزل الينا خبركم یعنی اللہ تعالےٰ نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں تمہارا ذکر بھی فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید اور اس کے احکام کما حقہ پہنچائے تھے۔

پانچواں جواب اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تمام دلائل قطعیہ اور نصوص صریحہ کے خلاف یہاں لفظ شہید کے معنی حاضر و ناظر ہی کے ہیں اور اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو رہا ہے تو پھر صرف حضور علیہ السلام ہی کو نہیں بلکہ ساری امت محمدیہ کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا کیونکہ اسی آیت میں امت محمدیہ کے لیے بھی لفظ شهداء استعمال کیا گیا ہے جو شہید کی جمع ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو امت کا رتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ جائے گا۔ کیونکہ آپ تو صرف اپنی امت کے گواہ ہیں اور یہ امت پہلی تمام امتوں پر گواہ ہے جیسا کہ لتکونوا شھداء علی الناس سے ظاہر ہے۔

چھٹا جواب اگر شہید کے وہی معنی تسلیم کر لیے جائیں جو مبتدعین کہتے ہیں تو اس آیت اور قرآن مجید کی دوسری آیتوں کے درمیان ایسا اختلاف اور تضاد رونما ہوگا جس کا اٹھانا ممکن نہیں ہوگا۔ مثلاً سورۂ بقرہ جس میں یہ آیت ہے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کے بعد تقریباً ۱۷، ۱۶ سورتیں اور نازل ہوئیں اور ان کے بعد سورۂ منافقون نازل ہوئی جس کا شانِ نزول صحیح روایتوں کے مطابق یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے موقع پاکر اپنے ساتھی منافقین سے کہا کہ اس پیغمبر اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بہت تکلیف ہے جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو (العیاذ باللہ) ان کمینوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ عبداللہ کی یہ باتیں ایک کم سن صحابی حضرت زید بن ارقم نے سن لیں اور اپنے چچا سے کہہ دیں۔ انہوں نے سارا ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ تو آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے قسمیں کھا کر حضور علیہ السلام کو یہ باور کرا دیا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ چنانچہ آپ نے زید بن ارقم کو جھٹلا دیا اور عبداللہ بن ابی کو سچا مان لیا تو اس پر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے آپ پر حقیقتِ حال منکشف ہوئی۔

اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو یقیناً آپ کو عبداللہ بن ابی کی باتیں معلوم ہو جاتیں اور آپ زید بن ارقم کی تصدیق فرماتے اور عبداللہ کی قسموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کو جھٹلا دیتے۔ اس لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید کے معنی یہاں حاضر و ناظر کے نہیں ہیں جیسا کہ فریق مخالف کا زعم ہے۔

ایک شبہ بعض مبتدعین یہاں حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ کی ایک عبارت پیش کر کے اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے "یعنی وباشد رسول شما برشما گواہ زیرا کہ او مطلع است بہ نور نبوت بہ رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ الخ (تفسیر عزیزی صفحہ ۶۳۶) یعنی اور ہو رسولؐ تمہارا تم پر گواہ کیونکہ آپ نور نبوت سے اپنے ہر امتی کا رتبہ جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ پر پہنچا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر امتی کے تفصیلی حالات سے آگاہ ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔

جواب یہ عبارت حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے بلکہ مدرج ہے بعد میں کسی نے بڑھائی ہے کیونکہ اس کے بعد آگے چل کر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "شہادت دریںجا یعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است تا از جادۂ حق بیرون نروند چنانچہ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ و در مقولہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کہ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (تفسیر عزیزی ص۶۴۲) یعنی اس آیت میں شہادت کے معنی گواہی کے نہیں بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے ہیں تاکہ وہ راہ حق سے باہر نہ جاسکیں جیساکہ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ میں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قول كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا میں شہید بمعنی گواہ نہیں بلکہ اس کے معنی نگران اور نگہبان کے ہیں یہ عبارت اس بات کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ پہلی عبارت حضرت شاہ صاحب کی نہیں ہے کیونکہ دوسری عبارت میں انھوں نے لفظ شہید کا جو مفہوم بیان فرمایا ہے وہ پہلی عبارت کے بالکل منافی ہے۔

دوسرا جواب یہ دوسرا جواب ہے اور پہلے جواب کی تفصیل ہے یعنی تحویل قبلہ کا حکم ہم نے اس لیے دیا ہے تاکہ کھرے کھوٹے اور مخلص و منافق میں امتیاز ہوجائے۔ مکہ معظمہ میں تو آپ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے ہجرت کے بعد بیت المقدس قبلہ مقرر کیا گیا۔ اور پھر سولہ سترہ ماہ کے بعد دوبارہ کعبہ ہی کو قبلہ مقرر کیا گیا اس طرح نسخ قبلہ دو دفعہ واقع ہوئی ہے۔ یہاں جَعَلَ بمعنی صیّر ہے لہٰذا اس کے دو مفعول ہونے چاہئیں چنانچہ اس کا مفعول اوّل محذوف ہے یعنی الکعبۃ اور القبلۃ مفعول ثانی ہے۔ اور التی کنت علیہا، الکعبۃ کی صفت ہے والمعنی وما جعلنا الکعبۃ التی کانت قبلۃ لک اوّلاً ثم صرفت عنہا الی بیت المقدس قبلتک الاٰن الا لنعلم (بحر ص۴۲۳ ج۱)۔ یعنی کعبہ کو جو پہلے آپ کا قبلہ تھا۔ اور جس کے بعد بیت المقدس کو آپ کا قبلہ بنایا گیا اب دوبارہ آپ کا قبلہ صرف اس لیے مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ فرمانبردار اور نافرمان میں امتیاز ہوجائے۔ لِنَعْلَمَ استقبال کے لئے ہے۔ لہٰذا اس سے شبہ پڑتا ہے۔ کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ کون مانے گا اور کون نہیں مانے گا۔ حالانکہ یہ چیز اہل اسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ابد تک تمام کلیات و جزئیات کا علم رکھتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد خارج میں تمیز اور اظہار ہے۔ اراید بہ التمییز فی الخارج (روح ص۶ ج۲) فوضع العلم موضع التمییز لان بہ یقع التمییز (مدارک ص۶۳ ج۱) یعنی ہم نے تحویل قبلہ اس لیے کی ہے تاکہ ہمارے پیغمبر کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہوجائے جو لوگ تحویل قبلہ کے حکم کو بخوشی مان لیں گے وہ فرماں بردار ہوں گے اور جو نہ مانیں گے بلکہ اس کی پھبتی اڑائیں گے وہ نافرمان ہوں گے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر کئی مسلمان مرتد ہوگئے۔ مگر یہ وہی مسلمان تھے جو بظاہر مسلمان کہلاتے تھے لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے یعنی منافقین یہ لوگ پہلے تو پوشیدہ طور پر مخالفت کرتے تھے مگر تحویل قبلہ کے موقع پر علانیہ اس کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا تاکہ مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی شبہات پیدا ہوجائیں تحویل قبلہ بھی مخلص و منافق اور طیّب و خبیث کے درمیان امتیاز کرنے کا ایک ذریعہ ہے وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ۔ ہدایت سے مراد ایمان ہے ای خلق الہدی الذی ہو الایمان فی قلوبہم (قرطبی ص۱۵۸ ج۲) یعنی تحویل قبلہ ایک بھاری آزمائش تھی مگر جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پیدا کر دیا تھا ان کے لئے اس کا مقابلہ کرنا آسان تھا۔ کیونکہ وہ نہ مصلحتوں کو دیکھتے ہیں نہ حکمتوں کو۔ ان کی زندگی کا ماحصل تو بس ایمان و تسلیم ہے جہاں حکم ہوا وہیں سر جھکا دیا **۲۸۶** ایمان سے مراد نماز ہے، جیساکہ صحیح روایتوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تحویل قبلہ کے بعد بعض مسلمانوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ جو مسلمان بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے فوت ہوگئے ہیں ان کی نمازوں کا کیا ہوگا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نماز کو ضائع نہیں کرے گا۔ بیت المقدس کی طرف تمہاری پڑھی ہوئی نمازیں سب درست ہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے حکم کے مطابق پڑھی گئی تھیں۔ اس طرح یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ممکن ہے ایمان اپنے ہی مفہوم یعنی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان پر باقی ہو۔ تو اس صورت میں اس آیت میں مسلمانوں کے اس شبہ کا ازالہ ہوگا۔ کہ جب اصل قبلہ کعبہ تھا تو بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھنے اور اسے اپنا قبلہ سمجھنے سے ہمارے ایمان میں تو کوئی خلل واقع نہیں ہوا اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ اللہ تعالیٰ ایسا شفیق و مہربان ہے کہ اس کے تمام احکام شفقت و رحمت پر مبنی ہیں چنانچہ تحویل قبلہ کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور وہ کسی کا اخلاص و ایمان کے ساتھ کیا ہوا عمل کبھی ضائع نہیں کرتا **۲۷۷** آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ کعبہ کو آپ کا قبلہ بنادیا جائے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ نیز اہل عرب کے لیے اس میں زیادہ کشش تھی۔ اور انھیں اسلام سے قریب لانے کا ایک عمدہ ذریعہ تھا۔ اہل کتاب میں سے جنھوں نے ایمان لانا تھا وہ لاچکے تھے اور جو باقی تھے ان کے ایمان سے آپ مایوس تھے جیساکہ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ الاٰیۃ اور وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى الاٰیۃ سے واضح ہے اور آپ کو یہ توقع بھی تھی کہ تحویل قبلہ ہوجائے گی۔ کیوں کہ اب دین کی امامت و سیادت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوچکی تھی۔ اس لیے اب ضروری تھا کہ قبلہ وہی مقرر ہو۔ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا تھا اس لئے آپ وحی کی آمد کی توقع پر بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم آپ کی بے چینی اور انتظار کو دیکھ رہے ہیں مگر بعض حکمتوں کے تحت اب تک آپ کو تحویل قبلہ کا حکم نہیں دیا۔ آیت کا مذکورہ بالا مطلب اس روایت کی بنا پر ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وحی کی آمد کے منتظر رہتے تھے اور بوجہ اشتیاق بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے لیکن حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ لفظ تقلب باب تفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے صراح میں ہے تقلب الشیٔ ظہرا لبطن کالحیۃ تتقلب فی الرمضاء یعنی سخت گرمی میں سانپ کے تکلیف کے ساتھ چلنے پر تقلب کا لفظ بولتے ہیں۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دیکھ رہے ہیں تکلیف اور ناگواری کے ساتھ آپ کے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کو کہ کہیں تحویل قبلہ کا حکم نہ آجائے کیونکہ آپ کی خواہش یہ تھی۔ ابھی تحویل قبلہ نہ ہو اور بیت المقدس ہی قبلہ رہے تاکہ اس معاملہ میں یہودیوں سے موافقت رہے۔ اور شاید وہ اسی وجہ سے ایمان قبول کرلیں آیت کا یہ مفہوم حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے یہ مفہوم چونکہ لغت اور عرف کے بھی مطابق ہے اور اس سے اسلام کے کسی منصوص اور قطعی حکم کی مخالفت بھی نہیں ہوئی اس لئے آیت کی یہ تفسیر دتاویل، تفسیر بالرائے کے دائرہ میں داخل نہیں بلکہ یہ اس تاویل کے زمرہ میں داخل ہے جس کی شرعاً اجازت ہے چنانچہ علماء تفسیر نے لکھا ہے التاویل صرف الاٰیۃ الی معنی موافق لما قبلہا وبعدہا تحتملہ الاٰیۃ غیر مخالف للکتاب والسنۃ من طریق الاستنباط (الاتقان فی علوم القراٰن ص۱۴۳۔ وتفسیر خازن ص۲ ج۱) یعنی تاویل یہ ہے کہ آیت کو ایک ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو سیاق و سباق کے مطابق ہو اور آیت میں (لغۃً وعرفاً) اس کی گنجائش بھی ہو اور وہ کتاب و سنت سے مستنبط احکام کے خلاف بھی نہ ہو۔ اور پھر اس تفسیر کی تائید میں دو قرینے بھی موجود ہیں۔ پہلا قرینہ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر زجر فرمایا کہ یہ لوگ اس قدر حاسد اور ضدی ہیں کہ کبھی آپ کا اتباع نہیں کریں گے اس لئے آپ ایسے لوگوں کا اس قدر کیوں خیال فرماتے ہیں دوسرا قرینہ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ۔ یہ بھی اس پر شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کو دین کی طرف مائل کرنے اور ان کے قلوب کی تالیف کے لئے ان سے کسی قدر ظاہری

موافقت (مثلاً اتحاد قبلہ) قائم رکھنے کے متمنی تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔ باقی رہی وہ روایت جس کی بنا پر پہلا مطلب بیان کیا گیا ہے تو اس کے بارے میں گذارش ہے کہ اکثر حدیثیں روایۃ بالمعنی کے طریق پر روایت کی گئی ہیں یہ حقیقت تمام محدثین کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ اور زیر بحث روایت بھی اسی طریق پر نقل کی گئی ہے۔ اور اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۷ میں ہے قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتٰی تطلع الشمس من مغربہا فاذا طلعت ورآھا الناس اٰمنوا اجمعون وذٰلک حین لا ینفع نفسًا ایمانہا ثم قرأ الاٰیۃ۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک سورج مغرب کی جانب سے طلوع نہیں ہوگا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی اور جب لوگ سورج کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت کا ایمان ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا الخ

مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف اور جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ

ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے انکے رب کی طرف سے ۲۷۹

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ

اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں اور اگر تو لائے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ

اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو ۲۸۰

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ

اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ

بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا

مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ

تو بے شک تو بھی ہوا بے انصافوں میں ۲۸۱ جن کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ

ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اسکو۔ جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو ۲۸۲ اور

اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

بیشک ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر ۲۸۳

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَلِكُلٍّ

حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا اور ہر کسی کے واسطے

وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا

ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف ۲۸۴ سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہوگے

وقف لازم — وقف منزل — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ مراد تحویل قبلہ ہے ۱۲

۲؎ آپ کو پسند تو یہی تھا کہ کعبہ ہی آپ کا قبلہ ہو لیکن آپ بحکم رب کچھ عرصہ کے لئے بیت المقدس قبلہ

۳؎ رہے شاید اس طرح یہود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں ۱۲ اس [illegible]

۴؎ [illegible] ثانی ۱۲ ۵؎ یعنی تحویل قبلہ پر لیل سباق ۱۲

۶؎ یعنی نہ ہوا حق [illegible] تحویل القبلہ ۱۲ ۷؎ تو زنہار تردد کی باز نہ رہ [illegible] بھی معلوم ہو [illegible] آپ [illegible] بیت المقدس کی قبلہ [illegible] اسی طرح [illegible] من الممترین

اس حدیث میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ جب قیامت کی ایسی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لانے پر مجبور اور مضطر ہو جائیں گے اس وقت کا ایمان لانا مفید نہیں ہوگا۔ اس پر بطور استشہاد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اس سے آپ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے لیکن بعض راویوں نے اس حدیث سے اپنے فہم کے مطابق یہی سمجھا اور روایت بالمعنی کے ذریعہ بیان کر دیا کہ بعض آیات ربک سے طلوع شمس از جانب مغرب مراد ہے۔ حالانکہ یہ چیز حضور علیہ السلام کے منشا کے خلاف ہے اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بے سینگ کے جانور کو سینگ والے جانور سے بدلا دلایا جائے گا۔ اس کو بعض لوگوں نے حقیقت پر محمول کر لیا حالانکہ جلجاء اور ذی القرن کمزور اور طاقت ور سے کنایہ ہے کیونکہ جانوروں کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ بس ان کا حشر ان کی موت ہی کا نام ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے منقول ہے۔

حشر کل شیئٍ الموت سوی الجن والانس (جامع البیان ۱۲۰)

یعنی ہر چیز کا حشر اور انجام موت ہے سوا جنوں اور انسانوں کے کیونکہ ان کو موت کے بعد جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اسی طرح زیر تفسیر آیت کے سلسلہ میں پیش آیا۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا یہاں اللہ تعالےٰ نے آپ سے وعدہ فرما کر آپ کو مطمئن کر دیا کہ آپ کو ایسے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جائیگا جسے آپ پسند کریں گے۔ اور دوسرے مفہوم کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس قبلہ کو آپ پسند کرتے ہیں، ہم ادھر ہی منہ کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ اور حضرت شیخ کے بیان کردہ مفہوم کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو ایسے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جائے گا جسے آپ پسند کریں گے ۲۷۸ یہ پہلے وعدہ کا ایفا اور تحویل قبلہ کا حکم ہے۔ شطر کے معنی طرف اور جانب کے ہیں۔ المسجد الحرام کے معنی عزت و حرمت والی مسجد کے ہیں کیونکہ اس مسجد میں اور اس کی حدود میں جنگ وجدال اور شکار وغیرہ جائز نہیں اور وجہ سے مراد سارا بدن ہے المراد من الوجہ ھٰہنا جملۃ بدن الانسان (کبیر ص۱۲۲ ج ۲) مفسرین نے لکھا ہے کہ قبلہ تو خانہ کعبہ ہے مگر آیت میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مسجد حرام سے دور دوسرے علاقوں میں رہتے ہیں ان کے لئے مسجد حرام کی سمت کی طرف منہ کر لینا کافی ہے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا واجب نہیں وذکر المسجد الحرام دون الکعبۃ دلیل علیٰ ان الواجب مراعاۃ الجہۃ دون العین (مدارک ص۶۲ ج ۱) البتہ جو لوگ خانہ کعبہ کے پاس موجود ہوں ان کے لئے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا واجب ہے۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ پہلے حضور علیہ السلام کو خطاب فرمایا اس سے حضور علیہ السلام کی یا جگہ کی خصوصیت مفہوم ہو سکتی تھی کیونکہ یہ آیتیں مدنی ہیں۔ اب اس آیت میں صراحت کے ساتھ اس حکم کو تمام افراد کے لئے اور تمام جگہوں کے لئے عام کر دیا ہے یعنی تم جہاں کہیں ہو نماز میں مسجد حرام

کی سمت منہ کرلیا کرو۔ ۲۷۹ یہ تحویل قبلہ کی دوسری اجمالی دلیل ہے۔ الذین اوتوا الکتٰب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور انّہ کی ضمیر تحویل قبلہ کی طرف راجع ہے یعنی امر القبلۃ وتحویلھم الی الکعبۃ (خازن ومعالم ص۱۱۲ ج۱) وَاِنَّہٗ لَلْحَقُّ میں خبر کی تعریف نے حصر کے معنی پیدا کردیئے ہیں یعنی اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ قبلہ کے بارے میں یہی حکم حق ہے کہ حضور علیہ السلام کا قبلہ خانہ کعبہ ہو کیونکہ ان کو تورات وانجیل کے ذریعے معلوم تھا کہ آخری پیغمبر دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا اور آخر میں اس کا قبلہ وہی ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ جو کچھ یہ سب لوگ کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں جن لوگوں نے تحویل قبلہ کے معاملہ میں تسلیم وانقیاد سے کام لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے اور جنہوں نے ان کا استہزا کیا ہے وہ ان کے اعمال سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء دے گا۔ الضمیر علی القراءتین لجمیع الناس فیکون وعدا ووعیدا للفریقین من المومنین والکافرین (روح ص۱۲ ج۲)

۲۸۰ یہاں بھی اہل کتاب کی ضد وعناد کا بیان ہے یعنی اس کے باوجود کہ یہ لوگ تحویل قبلہ کے حق ہونے کو جانتے ہیں مگر ضد وعناد اور حسد کی وجہ سے اپنا قبلہ چھوڑ کر آپ کا اتباع نہیں کریں گے۔ اگرچہ آپ تحویل قبلہ کی حقیقت کے تمام دلائل ان کے سامنے پیش کردیں۔ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ۔ اہل کتاب حضور علیہ السلام کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے تھے کہ اے محمد پھر سے بیت المقدس کو اپنا قبلہ مان لے تو ہم تجھے نبی مان لیں گے اور تیرا اتباع کریں گے (روح ص۱۱ ج۲) تو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی اس آرزو کو ختم کردیا کہ یہ امر محال ہے کہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبلہ کو دوبارہ قبول کرلے اس لئے انہیں اس قسم کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ یعنی اہل کتاب کی ضد وعناد اور بغض وحسد کا معاملہ کوئی آپ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں یہ لوگ تو آپس میں بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ان میں آپس میں بھی بغض وحسد کی آگ شعلہ زن ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ آپس میں بھی ایک دوسرے کا قبلہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہود، نصاریٰ کے دین اور قبلہ کو غلط سمجھتے ہیں اور نصاریٰ یہود کے دین اور قبلہ کو۔ یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس اور عیسائیوں کا قبلہ مشرق کی سمت تھی۔ فالیہود تستقبل بیت المقدس والنصاریٰ مطلع الشمس (مدارک ص۶۴ ج۱) ۲۸۱ آیت میں خطاب آنحضرت سے ہے۔ آپ کی خواہش تھی کہ قبلہ کے معاملہ میں فی الحال یہود سے موافقت رہے اس سے شاید ان کے دل دین اسلام کی طرف مائل ہو جائیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بطور زجر فرمایا۔ اگر بفرض محال آپ ان کی خواہشات کا اتباع کرنے لگے تو آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل کتاب کی اہواء باطلہ کی طرف رجحان ایک امر محال ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل باطل کی پیروی کی قباحت اور شناعت کو مؤکد کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر اگر بہ فرض محال آپ بھی جاننے پہچاننے کے باوجود ان کی خواہشات نفس کا اتباع کریں گے تو آپ کا شمار بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں ہوگا۔ خواہشات نفس سے مراد اہل باطل کا دین ہے کیونکہ وہ ان کی نفسانی خواہشات اور خود ساختہ آرزوؤں ہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو اور خصوصًا ان علماء کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو رواداری کے جنون میں مشرکین اور اہل باطل کے بعض مشرکانہ اور جاہلانہ عقائد واعمال کی تحسین کر بیٹھتے ہیں۔ یا کم از کم مداہنت سے کام لیتے ہوئے خاموش ہو جاتے ہیں۔

۲۸۲ الذین سے اہل کتاب کے اہل علم لوگ مراد ہیں۔ وان کان عامًا بحسب اللفظ لکنہ مختص بالعلماء منھم (کبیر ص۳۳ ج۲) یعرفونہ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا ذکر بطور خطاب پہلی آیت میں موجود ہے یعنی علماء اہل کتاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تورات وانجیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف اس وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں کہ علماء اہل کتاب کو پورا پورا یقین ہے کہ یہ اوصاف صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی منطبق ہوتے ہیں اور وہی ان کا مصداق ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یَعْرِفُوْنَہٗ کی ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بنانا اگرچہ فی نفسہٖ صحیح ہے لیکن سیاق وسباق کے مناسب نہیں لہٰذا یعرفونہ کی ضمیر امر قبلہ کی طرف راجع ہے۔ القول الثانی الضمیر فی قولہ یعرفونہ راجع الی امر القبلۃ (کبیر ص۳۳ ج۲) تو مطلب یہ ہوگا کہ تحویل قبلہ کے حق ہونے کو اہل کتاب اسی طرح یقینی طور پر جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بچوں کو جانتے ہیں۔ ۲۸۳ مگر اس کے باوجود ان کی ایک جماعت حق کو چھپاتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے بیان شدہ اوصاف یا تحویل قبلہ کے معاملہ پر پردہ ڈالتی ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان میں سے ایمان نہیں لائے تھے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ — الحق میں الف لام عہد کے لئے ہے یعنی جس حق کو وہ چھپا رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس سے حضور علیہ السلام کی صفت ونعت یا تحویل قبلہ کا معاملہ۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ یعنی اہل کتاب کے جان بوجھ کر حق کو چھپانے کی وجہ سے حق کی حقانیت میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور ان کے کتمان کے باوجود حق پھر بھی حق ہی ہے اور اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ ۲۸۴ کُلٍّ کی تنوین عوض کے لئے ہے۔ ای لکل قوم اور وجھۃ کے معنی قبلۃ کے ہیں (مدارک ص۶۵ ج۱) مطلب یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک علیحدہ قبلہ ہے اور ہر مذہب وملت کے متبعین اپنے اپنے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ خطاب مسلمانوں سے ہے یعنی ہر قوم اپنے اپنے قبلہ کا اتباع کرتی ہے تم اللہ کے حکم کے مطابق نیکی کے کاموں میں سب پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو اور جس طرف اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اسی طرف منہ کرو۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا۔ یہ تخویف اخروی ہے تم سب مسلمان اور تمہارے دشمن جہاں کہیں بھی ہونگے وہ تمہیں قیامت کے دن ایک جگہ جمع کردیگا اور تمہارے تمام جھگڑوں کا فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا فضول جھگڑوں اور بحثوں کو چھوڑو اور خدا کی عبادت کرو اور اس کے احکام کا اتباع کرو جو اصل نیکی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ مارنا اور پھر منتشر اجزاء کو جمع کرکے ان میں دوبارہ جان ڈالنا بھی اس کی قدرت کے تحت داخل ہے۔ ۲۸۵ تحویل قبلہ سے متعلق پہلا حکم بھی اگرچہ عام تھا لیکن یہاں اس بات کی صراحت فرمادی کہ یہاں حکم قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام احوال سفر وحضر کو شامل ہے۔ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور یہ استقبال کعبہ کا حکم اللہ کی طرف سے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ استقبال ھٰذہ القبلۃ ھو الحق ای الثابت الذی لا یعرض لہ نسخ ولا تبدیل (بحر ص۴۳۹ ج۱) ای الثابت الموافق للحکمۃ (روح ص۱۶ ج۲) وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تمہارے تمام اعمال اس کی نگاہ میں ہیں اور وہ تمہارے نیک وبد اعمال کے مطابق تمہیں جزاء دے گا۔ ۲۸۶ آگے چونکہ تحویل قبلہ کی چوتھی دلیل کا بیان تھا جو دوسری اجمالی دلیل کی تفصیل ہے اس لئے تحویل قبلہ کے حکم کا یہاں پھر اعادہ فرمایا تاکہ دلیل بلا فصل حکم سے متعلق ہوسکے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ۔ یہ تحویل قبلہ کی دوسری تفصیلی علت ہے۔ الناس سے مراد تمام مخالفین ہیں۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب، تورات اور انجیل میں یہ مذکور تھا کہ آخری نبی کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اگر تحویل قبلہ کا حکم نہ دیا جاتا تو اہل کتاب کا اعتراض باقی رہتا کہ ہماری کتابوں میں اس کا قبلہ کعبہ لکھا ہوا ہے مگر یہ بیت المقدس کی طرف منہ کرتا ہے۔ لہٰذا یہ نبی موعود نہیں۔ المنعوت فی التوراۃ قبلتہ الکعبۃ لا الصخرۃ وھذا النبی یصلی الی الصخرۃ فلا یکون النبی الموعود (روح ص۱۷ ج۲)۔ مشرکین کا یہ اعتراض تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ تو یہ کرتا ہے کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی مخالفت کرتا ہے لہٰذا وہ ملت ابراہیمی پر بھی نہیں۔ اب تحویل قبلہ سے مشرکین کا یہ اعتراض بھی رفع ہوگیا۔ وتندفع احتجاج المشرکین بانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یدعی ملۃ ابراھیم ویخالف قبلتہ (روح ص۱۷ ج۲) یعنی ہم نے تحویل قبلہ کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ مخالفین کو ان معقول اعتراضات کا موقع بھی نہ مل سکے ۲۸۷ یہ الناس سے استثناء ہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد معاندین اور ضدی لوگ ہیں۔ الا المعاندین منھم (مدارک ص۶۵ ج۱) یعنی مخالفین میں سے جو لوگ ضدی نہیں ہیں تحویل قبلہ کے بعد ان کے پاس تو کوئی معقول اعتراض باقی نہیں رہے گا۔ البتہ جو لوگ ضد وعناد کی وجہ سے مخالفت کررہے ہیں وہ تو تحویل قبلہ کے بعد بھی حجت بازی سے باز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ یہودی یہ کہیں گے، محض اپنے آبائی شہر کی محبت اور آبائی دین کی طرف رغبت کی وجہ سے اس پیغمبر نے کعبہ کو قبلہ بنایا ہے۔ مشرکین معاندین کہیں گے کہ اب اسے سمجھ آئی ہے اس نے اپنے باپ دادا کا قبلہ مان لیا ہے، اور عنقریب ہی اپنے دین کو چھوڑ چھاڑ ہمارے دین میں واپس آنا چاہتا ہے وغیر ذالک فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ لہٰذا تم ان کی مخالفت سے مت ڈرو اور تحویل قبلہ کے بارے میں ان کے اعتراضات کی پرواہ مت کرو اور میرے عذاب سے ڈرو اور میرے احکام کی تعمیل کرو فلا تخافوا مطاعنھم فی قبلتکم فانھم لا یضرونکم (مدارک ص۶۵ ج۱) وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ اس کا عطف لِئَلَّا يَكُوْنَ پر ہے۔ اتمام نعمت سے یہاں مراد تعیین قبلہ ہے واتمام النعمۃ

الهداية الى القبلة (قرطبی ص۱۶۰ ج۲) تحویلِ قبلہ اس لئے کی ہے کہ تم پر دنیوی اور روحانی نعمتوں کا اتمام کروں ۔ دنیا میں اس طرح کہ کعبہ کو تمہارا مرکز اور قبلہ بنا دینے کی وجہ سے تمہیں وہ شرف اور برتری حاصل ہوئی جو اور کسی کو حاصل نہیں ۔ ما حصل للعرب من الشرف بتحويل القبلة الى الكعبة (بحر ص۴۴۳ ج۱) کعبہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکات و تجلیات کا مرکز ہے اس لئے نماز جیسی عبادت کے لئے جو مومنین کے لئے معراج کا درجہ رکھتی ہے ۔ خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کرنا سب سے بڑی اخروی اور روحانی نعمت ہے وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۔ تاکہ تمہیں ملت ابراہیمی کی سیدھی راہ مل جائے ۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ اس کی تفسیر رکوع ۱۵ میں گذر چکی ہے ۔ کاف تشبیہ کے لئے ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی جس طرح ہم نے ان خوبیوں والا پیغمبر تم میں بھیج کر تم پر بہت بڑا انعام و احسان کیا ۔ اسی طرح تعیینِ قبلہ سے ہم نے تم پر اپنی نعمت تام کردی ۔ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۔ اور وہ پیغمبر تمہیں وہ باتیں بتاتا ہے جن کو نہ تم جانتے ہو اور نہ وحی کے بغیر ان کو معلوم کر سکتے ہو ۔ مما لا طريق الى معرفته سوى الوحى (روح ص۱۹ ج۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفتیں یا پانچ حیثیتیں بیان فرمائی ہیں ۔

(۱) آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں (۲) آپ لوگوں کو کتاب اللہ کے الفاظ کی کیفیتِ ادا ، اس کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سکھاتے ہیں ۔ (۳) اپنی سنت اور اسوۂ حسنہ کے ذریعے کتاب اللہ کے احکام کی صحیح تعبیر و تصویر اور ان کا عملی نمونہ بتاتے ہیں (۴) ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ لوگوں کی روحانی تربیت کر کے ان کے عقائد ، اعمال اور اخلاق کا تزکیہ بھی فرماتے ہیں (۵) تمام امورِ دین جن کا لوگوں کو علم نہ ہو ، اور نہ ہی وہ کسی ذریعے سے ان کا علم حاصل کر سکیں ۔ خدا کا پیغمبر ایسے تمام امور میں اللہ کی طرف سے ان کی راہنمائی کرتا ہے اور اس آیت میں یہ تمام افعال رَسُولًا سے حال ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام صفات و حیثیات سے اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو متصف کر کے بھیجا ہے ۔ یہ نہیں کہ لوگوں نے اور سوسائٹی کے افراد نے یہ ڈیوٹیاں آپ کے ذمہ لگا دی تھیں جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی خدا کی طرف سے ڈیوٹی صرف یہ تھی کہ آپ آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں اور بس ۔ باقی کام آپ نے اپنے طور پر کئے ۔ یا لوگوں کی درخواست پر آپ ایسا کرتے تھے مگر قرآن مجید کی یہ آیت اس خیال کی تردید کرتی ہے اور واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ یہ تمام ذمہ داریاں خدا کی طرف سے آپ کے سپرد تھیں لہٰذا آپ کے ہر قول و فعل اور آپ کی ہر سنت پر عمل واجب ہے بشرطیکہ وہ صحت کے ساتھ ہم تک پہنچ جائے کیونکہ حضور علیہ السلام کی سنت اور آپ کے اسوہ کے بغیر قرآن کا سمجھنا ناممکن ہے ۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ لہٰذا تم میرے انعامات کے شکریہ کے طور پر ہر وقت مجھے یاد رکھو ۔ میرے احکام مانو ۔ صرف میری ہی عبادت کرو اور صرف مجھے ہی پکارو تو میں بھی تمہیں اجر و ثواب اور مزید انعام و اکرام سے نوازوں گا وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۔ توحید کی پابندی اور احکام کی تعمیل سے میری نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو ۔ کفر و شرک اور طغیان و عصیان سے میری نعمتوں کی ناقدری نہ کرو ۔ امام ابن جریر رحمہ فرماتے ہیں ۔ واشكروا لى ايها المؤمنون فيما انعمت عليكم من الاسلام

۱۰ (۱) کو زیادہ ذکر کے ساتھ بطور تاکید (۲) تحویلِ قبلہ کا اعادہ کیا گیا ہے ۱۲۔

۲ دوبارہ اعادہ کیا گیا چوتھی علت بیان کرنے کے لئے ۱۲ (۳) اگرچہ آپ مدینہ منورہ میں ہوں گے ۔

۳ جواب شبہ دوسری تفصیلی علت کے ساتھ ۱۲

يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۴۸)

کر لائے گا تم کو اللہ اکٹھا بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ف

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد

الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

حرام کی طرف ف۲۸۵ اور بیشک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں

عَمَّا تَعْمَلُونَ (۱۴۹) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

تمہارے کاموں سے ف۱ اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

اسی کی طرف ف۲۸۶ تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے

حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

جھگڑے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں ف۲۸۷ سو ان سے (یعنی انکے

وَاخْشَوْنِي ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تاکہ تم پاؤ

تَهْتَدُونَ (۱۵۰) ۙ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ

راہ سیدھی ف۲ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا

يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ

پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۱۵۱) ؕ

اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے

ع ۱۸ ۴

والهداية للدين الذى شرعته لانبيائى واصفيائى (ابن جریر ص۲۲ ج۲) یعنی اے ایمان والو میری اس نعمت کا شکر ادا کرو کہ میں نے تم کو اسلام اور دین توحید کی توفیق دی ہے جسے میں نے اپنے تمام انبیاء اور برگزیدہ بندوں کے لئے مقرر کیا تھا ۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ مسلمانوں کو آئے دن دشمنانِ اسلام کی طرف سے مصائب و تکالیف کا سامنا تو ہوتا ہی

موضح قرآن ف۱ یعنی یہ ضد کرنی کہ ہمارا قبلہ بہتر یا تمہارا عبث ہے ۔ بہتری اس کو جو نیکیوں میں زیادہ ۔ ہر امت کو ایک ایک قبلے کا حکم ہوا تھا ۔ آخر سب کو ایک جگہ جمع ہونا ہے ۔ ف۲ مسجد الحرام کہتے ہیں مکے کی مسجد کو ۔ حرم کے معنی جس جگہ بند رہنا چاہئے اس مکان میں کئی باتیں منع ہیں ۔ آدمی کو مارنا اور جانور کو ستانا اور درخت اور گھاس اکھاڑنا اور پڑا مال اٹھانا ۔

فتح الرحمٰن ف۱ در تورات مذکور است کہ امتی از بنی اسماعیل پیدا خواہد شد کہ تعظیم کعبہ کنند پس توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکعبہ حجت باہرہ است بر صدق نبوت آنحضرت نزدیک احبار یہود واگرچہ سفہاء یہود طعن کنند کہ قبلۂ انبیاء را گذاشت ۱۲

رہتا تھا۔ اب تحویل قبلہ کی وجہ سے معاندین کو ایذا رسانی کا ایک اور بہانہ ہاتھ آگیا۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ وہ ہر قسم کی مشکلات اور مصائب میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھیں اسی کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے رکھیں اور اسی کے آگے جھکیں۔ صبر و صلوٰۃ کی پابندی ان میں ایسا استقلال اور سکون پیدا کرے گی کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز اور ہر خطرہ سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ہ صبر کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ خصوصی مدد فرماتا ہے۔ یہ اس خصوصی نصرت و یاری ہی کے آثار تھے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کئی معرکوں میں قلتِ عدد اور بے سروسامانی کے باوجود فتحیاب ہوئے۔

(بقیہ ص۳۱) وَ الصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (نساء ع ۹) جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ قال الجمہور من المفسرین انہ اراد صراط النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وانتزعوا ذٰلک من قولہ تعالیٰ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ الخ (قرطبی ص۱۴۹ ج۱)

ایک شبہ اگر الصراط المستقیم سے مندرجہ بالا چار گروہوں کی راہ مراد ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اھدنا الصراط المستقیم میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے اور اس میں النبیین کا درجہ بھی شامل ہے تو اس کے حاصل کرنے کی درخواست بھی اس میں شامل ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اب بھی درجہ نبوت حاصل کرنے کا امکان موجود ہے۔

جواب اول تو یہی غلط ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے بلکہ اس میں تو صرف ان جماعتوں کی راہ پر چلنے کی اور قائم رکھنے کی درخواست ہے نیز درخواست اور دعا ہمیشہ ایسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے جس کا حصول کسب اور محنت سے ممکن ہو اور جس فضل و کمال کا حصول کسب اور محنت سے ناممکن ہو، اس کے لئے درخواست کرنا بالکل بے معنی اور عبث ہے۔ اس لئے اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اھدنا الصراط المستقیم میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے تو درجہ نبوت چونکہ کسب و ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ نبوت ایک محض وہبی چیز ہے اور اس کے بارے میں قانونِ خداوندی یہ ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام ع۱۵) لہٰذا درخواست کا تعلق نبوت سے نہیں بلکہ درخواست صرف صدیقین، شہداء اور صالحین کے کمالات کے لئے ہے۔

ــلہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ہ یہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے اور ولا الضالین ـــــ غیر المغضوب علیہم پر معطوف ہے۔ اور لا تاکید نفی کے لئے ہے جو لفظ غیر سے مفہوم ہے۔ بدل من الذین انعمت علیہم او صفۃ لہ، ولا مزیدۃ لتاکید ما فی غیر من معنی النفی (مظہری ج۱ ص۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ مغضوب علیہم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے (ابن جریر ص۶۱ ج۱ ص۶۲ ص۶۳) غضب کے معنی شدید غصے کے ہیں اور یہ ایک نفسانی کیفیت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات میں غضب کے معنی ارادہ عقوبت اور قصدِ سزا کے ہیں۔ ومعنی الغضب فی صفۃ اللّٰہ تعالیٰ ارادتہ العقوبۃ فھو صفۃ ذات وارادۃ اللّٰہ تعالیٰ من صفات ذاتہ (قرطبی ص۱۵۰ ج۱) اور ضلال کے معنی سیدھی راہ سے بھٹک جانا اور راہِ ہدایت سے علیحدہ ہو کر چلنا۔ الضلال فی الدین الذھاب عن الحق (روح ص۹۶ ج۱) ان آیتوں کا حاصل یہ ہے اے اللہ ہم کو ان لوگوں کی راہ پر قائم رکھ جن پر تو نے انعام فرمایا اور جن پر نہ تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ جن لوگوں پر تیرا غضب ہوا مثلاً یہود اور جو لوگ راہِ حق سے گمراہ ہوئے مثلاً نصاریٰ ان کی راہ سے ہم کو بچا۔ مغضوب علیہم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی نصاریٰ سے بطور تمثیل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مغضوب علیہم صرف یہود ہی ہیں اور ضالین سے صرف نصاریٰ ہی ہیں اس لئے یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی ان دونوں لفظوں میں داخل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت چونکہ یہود و نصاریٰ مذہب اور خانقاہیت کے اجارہ دار تھے اور ساتھ ہی راہِ حق سے گمراہ اور بھٹکے ہوئے تھے اور خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب کے مستحق تھے اس لئے المغضوب علیہم اور الضالین کی تفسیر ان دونوں گروہوں سے کی گئی۔

ہدایت کی طرح گمراہی کے بھی چار درجے ہیں (۱) ریب و شک۔ یہ درجہ گمراہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پہلے آدمی کے دل میں توحید اور دینِ حق کے بارے میں شبہات و شکوک پیدا ہوتے ہیں جو اسے صراطِ مستقیم اور راہِ ہدایت سے بھٹکاتے ہیں۔ (۲) ضلالت (گمراہی) توحید اور دینِ حق سے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اور وہ کسی کے دل میں جاگزیں ہو جائیں تو آدمی ضلالت اور گمراہی میں جا گرتا ہے اور راہِ حق کو چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ (۳) جدال۔ ضلالت کے بعد جدال کا درجہ ہے گمراہی کے بعد گمراہ شخص اپنے باطل نظریات اور غلط عقائد کو حق اور صحیح ثابت کرنے کے لئے اہلِ حق سے جھگڑا اور مجادلہ و منازعہ کرتا ہے اور ضد و عناد سے ہر حق بات کو رد کر دیتا ہے۔ (۴) مہر جباریت یا طبع علی القلب یا ختم علی القلب۔ گمراہی کے بعد جب آدمی حق کے مقابلہ میں جھگڑا اور جدال شروع کرتا ہے اور تمام عقلی اور نقلی دلائل سے حق کے واضح اور ثابت ہو جانے پر بھی حق کو نہیں مانتا اور اپنی ضد اور عناد پر ڈٹا رہتا ہے تو اب اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے یعنی اس کے دل میں جو کفر و نفاق اور شرک ہے وہ دل سے باہر نہیں نکل سکتا اور جو چیز اس کے دل سے باہر ہے یعنی ایمان و یقین اور توحید و اخلاص وہ اس کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ جب آدمی گمراہی کے اس درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا راہِ راست پر آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس درجہ میں اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس کو مہر جباریت سے تعبیر فرماتے تھے قرآن میں یہ چاروں درجے کہیں جدا جدا اور کہیں دو دو یا اس سے زیادہ یکجا مذکور ہیں۔ سورہ مومن ع ۴ میں دو آیتوں کے اندر چاروں درجے ایک ساتھ مذکور ہیں۔ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِہٖ ط حَتّٰٓی اِذَا ھَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا ط کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ہ اِلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰہُمْ ط کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ہ اور یقیناً اس سے قبل یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس دلائل (توحید و نبوت) لے کر آچکے ہیں سو تم ان امور میں برابر شک میں رہے جو تمہارے پاس لائے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم کہنے لگے کہ بس اللہ اب ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں اور توحید میں شک کرنے والوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو محض ضد و عناد کی وجہ سے بلا کسی دلیل کے جو ان کے پاس موجود ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں۔ یہ کج بحثی اور جھگڑا خدا تعالیٰ کو بھی سخت ناپسند ہے اور ایمان والوں کو بھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور جابر کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ اس آیت میں کذٰلک میں دونوں جگہ کاف تعلیلیہ ہے اور بمعنی لام ہے جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا ہے اس آیت میں چاروں درجات بالتدریج مذکور ہیں۔ پہلے وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے لائے ہوئے دلائل توحید و نبوت کے بارے میں ریب و شک میں پڑے رہے اس وجہ سے گمراہ ہوئے اور راہِ ہدایت اور جادۂ توحید سے بھٹک گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ضد و عناد سے جھگڑا اور مجادلہ شروع کر دیا اور توحید اور دینِ حق سے دور بھاگنے لگے اس لئے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر جباریت لگا دی۔ ضلالت کے یہ چار درجے ہدایت کے چاروں درجوں کے مقابلے میں ہیں۔ اوّل انابت کے مقابلہ میں ریب و شک دوم ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت سوم استقامت کے مقابلہ میں جدال و مخاصمت چہارم ربط علی القلب کے مقابلہ میں طبع علی القلب۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں ضلالت کے چاروں درجات مذکور ہیں۔ پہلے تینوں درجے الضالین میں اور چوتھا درجہ مغضوب علیہم میں۔ (آگے ص۱۰۱ پر ملاحظہ ہو)

۲۸۸ پہلے مصائب پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ اب یہاں بیان فرمایا کہ تحویل قبلہ کے معاملہ میں اگر کوئی مسلمان یہودیوں کے ہاتھوں شہید ہو جائے تو اس کی موت چونکہ اللہ کی راہ میں واقع ہوئی ہے اس لئے اسے مردہ مت کہو اسی طرح جو لوگ اللہ کے دین کی خاطر کافروں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو کر داغ جدائی دے گئے کیونکہ وہ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں۔ انہیں بھی مردے مت کہو۔ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہ بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا ادراک نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی ایک بہت بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ ان کو دنیا سے رخصت ہو جانے اور فی سبیل اللہ مقتول ہو کر طبعی موت پا جانے کے بعد عالم برزخ میں ایک امتیازی زندگی اور حیات عطا کی جاتی ہے جو دوسرے غیر شہداء مومنین کو حاصل نہیں ہوتی اور اس حیات کا تعلق چونکہ عالم برزخ سے ہے۔ اس لئے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم اپنے حواس و مشاعر سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق سورۂ آل عمران میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

ع ۱۸ / ۵ / ۲

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ع

سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو ف۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

اے مسلمانو مدد لو صبر اور نماز سے

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ

بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ف۲ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا

خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں ف۲۸۸ بلکہ وہ زندے ہیں لیکن

تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ

تم کو خبر نہیں اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور

الْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط

بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے ف۲۸۹

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ

اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے انہیں کچھ مصیبت

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ط اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ف۲۹۰ ایسے ہی لوگوں پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں

الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ

سیدھی راہ پر ف۳ بیشک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں

اللّٰهِ ج فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

اللہ کی ف۲۹۱ سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اُس کو

۱ اللہ نے تم کو دو قبلوں والا کر دیا لہٰذا اسے یاد کرو اور اس کا شکر بجا لاؤ۔ ۱۲ ۲ اہل کتاب کا قبلہ ترک کرنے پر ان کی طرف سے آمدہ مصائب قتل وغیرہ پر صبر کرنے کی تلقین اور صابرین کے لئے بشارت ۱۲

۳ رسالت پر شبہ ثانیہ کا جواب ۱۲

۲۸۹ ابتلاء کے معنی آزمانے اور امتحان لینے کے ہیں۔ والمعنی لنمتحننکم (قرطبی ص۱۷۳ ج ۲) یعنی ہم تمہارا امتحان لیں گے خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے اور اس میں وہ تمام ڈراوے دھمکیاں اور مشکلات و مصائب بھی داخل ہیں جو تحویل قبلہ کے سلسلہ میں ان کو یہود کی طرف سے پہنچیں گی۔ اور بھوک سے قحط سالی مراد ہے۔ اموال کی کمی سے مویشیوں اور کھیتیوں کا ضائع ہونا، جانوں کی کمی سے عزیزوں اور دوستوں کی موت اور پھلوں کی کمی سے باغات کی تباہی یا بچوں کی موت مراد ہے۔ کیونکہ بچہ انسان کا ایک عمدہ نتیجہ اور پیارا پھل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ تم پر اللہ کی طرف سے امتحان و ابتلاء کے طور پر مشکلات و مصائب آئیں گی تاکہ کھرے کھوٹے میں امتیاز ہو جائے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ یہاں حضور علیہ السلام کو مخاطب فرمایا کہ آپ مصائب میں صبر کرنے والوں اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصائب و مشکلات کے ذریعے مسلمانوں کا امتحان لے کر انہیں صبر و استقلال کا سبق سکھانا مقصود ہے **۲۹۰** اگر تحویل قبلہ کے سلسلہ میں انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اس پر صبر کرتے ہیں۔ یہ الصابرین کی صفت ہے اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اجر و ثواب کے مستحق صرف وہی صابر ہیں، جو مصیبت کی ابتداء میں صبر کرتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ نزولِ مصیبت کے وقت انتہائی بے صبری اور جزع و فزع کا اظہار کریں اور بعد میں صبر کریں وہ اس اجر کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ مصیبت کے بھول جانے پر تو صبر کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اصل صبر جس پر اجر و ثواب ملتا ہے وہ تو صدمہ کی ابتداء میں ہوتا ہے۔ اشارة الی ان الاجر لمن صبر وقت اصابتها کما فی الخبر انما الصبر عند اول صدمة (روح ص۲۳ ج ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ صبر تو یہ ہے کہ مصیبت کے وقت زبان سے واویلا اور جاہلیت کی باتیں کرنے کی بجائے اناللہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیئے۔ یعنی ہم اللہ کے مملوک اور غلام ہیں وہ ہمارا مالک و آقا ہے۔ ہمارے امور میں اسے ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے اور ہم اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ دنیا میں اگرچہ ہم مصائب میں مبتلا رہے ہیں اور کفار کی ایذائیں سہی ہیں۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ ہمیں چین و آرام عنایت فرمائیگا پہلے حصہ میں بندگی اور مملوکیت کا اعتراف ہے اور دوسرے حصہ میں بعث بعد الموت کا اقرار ہے۔ وللہ معناہ الاقرار بالملك والعبودية لله فهو المتصرف فينا بما يريد من الامور وانا اليه راجعون اقرار بالبعث (بحر ص۴۵۰ ج ۱) اُولٰٓئِكَ یہ مذکورہ بالا صابرین کی طرف اشارہ ہے یعنی جو لوگ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہتے ہیں عَلَيْهِمْ

موضح قرآن ف۱ یہاں سے اشارہ ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ اور مضبوطی اختیار کرو۔

فتح الرحمن ف۱ بعد ازیں خدائے تعالیٰ امر می فرماید بصبر بر مشقتہائے جہاد و ثواب صبر ذکر میکند ۱۲ ف۲ بعض اہل اسلام صفا و مروہ را از شعائر طواغیت گمان کردہ از آں دست باز داشتند پس نازل شد ایں آیت ۱۲

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ صَلَوٰت صلوٰة کی جمع ہے جس سے دنیا و آخرت میں اللہ کی عفو و درگذر، رحمت و برکت اور اس کا اعزاز و اکرام مراد ہے ۔ وصلوٰة اللہ علی عبدہٖ عفوہ ورحمته وبرکته وتشریفه ایاہ فی الدنیا والاٰخرة (قرطبی ص۱۷۷ ج ۲) اور رحمة کا لفظ تاکید اور مزید تعمیم کے لئے ہے یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کی عنایات خاصہ کے مستحق ہوں گے ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ہ یہاں مھتدون سے فائزون مراد ہے کیونکہ جن لوگوں کی خدا نے صفائی دیدی اور انہیں اپنی رحمت خاصہ سے نواز دیا ان سے بڑھ کر کون کامیاب ہے ۔ والمعنی اولٓئك هم الفائزون بمطالبهم الدينية والدنيوية فان من نال تزكية الله تعالىٰ ورحمته لم يفته مطلب (روح ص۲۴ ج ۲) **۲۹۱** یہ دوسرے شبہ کا جواب ہے ۔ یہ صفا و مروہ وہی دونوں پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے معصوم بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں سات چکر کاٹے تھے ۔ بعد میں مشرکین نے ان پہاڑیوں پر دو بت نصب کردیئے اور ان کی پوجا پاٹ

اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

کہ طواف کرے ان دونوں میں **۲۹۲** اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ

شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ

قدردان ہے سب کچھ جاننے والا ہے **۲۹۳** بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے

الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي

صاف حکم اور ہدایت کی باتیں **۲۹۴** بعد اسکے کہ ہم اس کو کھول چکے لوگوں کے واسطے

الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنیوالے **ف۲**

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ

مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کردیا حق بات کو **ف۳** تو ان کو معاف کرتا

عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ

ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور

مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

مرگئے **۲۹۵** کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

اور لوگوں کی سب کی ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا ان پرسے

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی **۲۹۶** اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے **۲۹۷**

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ؑ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

کوئی معبود نہیں اس کے سوا **۲۹۸** بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا بیشک آسمان اور زمین کے پیدا

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ

کرنے میں **۲۹۹** اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ

ع ۱۹ / ۳

سورة البقرہ کے شبہات کا جواب دینے کے بعد یہود کا تحویل قبلہ کے احکام و بیان کو چھپانے یا انکار کرنے کے ۲

سے دعوائی توحید کا اعادہ مع دلیل عقلی برائے نفی شرک فعلی اس مسئلہ توحید کو چھپانے والے اور اس کا انکار کرنے والے علماء یہود پر جن کی پہلے ان الذین یکتمون سے زجر ہو چکی ہے ۲ مع دلیل عقلی نمبر ۲

۳

شروع کردی ۔ صفا پر اساف کا بت اور مروہ پر نائلہ کا بت تھا ۔ مشرکین صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرتے وقت ان بتوں کو بھی ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے ۔ غلبۂ اسلام کے بعد ان بتوں کو توڑ دیا گیا لیکن ان بتوں کی وجہ سے اور گذشتہ زمانے میں ان دونوں پہاڑیوں کے مشرکوں کا تیرتھ بنے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے سے کراہت اور انقباض سا پیدا ہوگیا تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اپنے اس شبہ کا اظہار کیا ۔ ممکن ہے کہ یہود اور مشرکین نے بھی عناداً یہ اعتراض کیا ہو کہ ان پہاڑیوں پر تو آج تک شرک اور بت پرستی ہوتی رہی ہے اور یہ پیغمبر ان پہاڑیوں کی تعظیم کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صفا اور مروہ دونوں اللہ تعالیٰ کی توحید کی یادگاریں ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کی تھیں ۔ اسلئے ان کا طواف بھی کیا کرو تاکہ ملت ابراہیم کی اتباع پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے ۔

۲۹۲ یہ ماقبل پر مرتب ہے اور جُناح کے معنی گناہ کے ہیں یعنی جب صفا اور مروہ خدا کی توحید کی یادگاریں ہیں تو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اسے ان کے طواف کرنے میں قطعاً کوئی گناہ نہیں ۔ اور نہ ہی گذشتہ زمانہ میں ان پہاڑیوں کے شرک گاہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں کسی قسم کا انقباض ہونا چاہیئے اور یہاں طواف سے دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی اور دوڑ مراد ہے جو حج اور عمرہ کے موقع پر کی جاتی ہے ۔ یہ سعی حضرت امام ابوحنیفہ رحہ کے نزدیک واجب اور باقی ائمہ کے نزدیک فرض ہے ۔ فریقین کے دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں ۔ بعض لوگوں نے لاجناح کے لفظ سے سعی کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے کیونکہ جناح کی نفی سے عدم لزوم متبادر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جُناح کی نفی مطلق جواز پر دلالت کرتی ہے ۔ واجب اور غیر واجب کے درمیان قدر مشترک ہے ۔ لہٰذا نفی وجوب پر اس کی کوئی دلالت نہیں ۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ لفظ خیر عام ہے ۔ اور ہر نیکی کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خوشی خوشی نیکی کے کام کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے اور وہ بڑا قدردان ہے ۔ ان کے اخلاص پر مبنی اعمال کی ضرور انھیں جزا دے گا ۔ وقال الحسن المراد منه جميع الطاعات وهٰذا اولىٰ لانه اوفق لعموم اللفظ (کبیر ص۷۶ ج ۲) **۲۹۳** یہاں اہل کتاب کو زجر اور وعید سنائی جارہی ہے جنہوں نے امر قبلہ اور صفا و مروہ کے بارے میں تورات وانجیل کے احکام کو چھپایا تھا ۔ اَلَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں ۔ نزلت فی اهل الكتاب من اليهود والنصارىٰ (کبیر ص۷۷ ج ۲) والاقرب انها نزلت فی اليهود والحكم عام (روح ص۲۶ ج ۲) یعنی یہ آیت نازل تو علماء یہود کے حق میں ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے ۔ اگر امت محمدیہ کے علماء بھی علماء یہود کی روش پر چل کر خدا کی آیات بینات کو چھپانے لگیں گے تو وہ بھی انہی کے ساتھی ہونگے ۔ بینات کا مطلب ہے واضح دلائل اور کھلے نشانات مراد حضور علیہ السلام کی صفات ہیں جو تورات

موضح قرآن **ف۱** صفا اور مروہ دو پہاڑ ہیں مکے کے شہر میں ۔ عرب لوگ حضرت ابراہیم کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے ہیں لیکن کفر کے وقت میں اکثر غلطیاں پڑ گئی تھیں ان دو پہاڑیوں پر دو بت دھرے تھے حج میں وہاں بھی طواف کرتے تھے ۔ جب لوگ مسلمان ہوئے جانا کہ یہ بھی کفر کی غلطی تھی اب وہاں نہ جایا چاہیئے ۔ اس پر یہ آیت اتری ۱۲ **ف۲** یہ ان کے حق میں ہے جن کو حکم خدا کا پہنچا اور غرض دنیا کے واسطے چھپا رکھا ۱۲

اور انجیل میں مذکور تھیں - اور عموم کی صورت میں بینات سے مراد قرآن کی وہ آیات ہونگی جن سے مسئلہ توحید کو خوب واضح کرکے بیان کیا گیا ہے اور جن میں مثالیں دے دے کر شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کیا گیا ہے اور ہُدٰی سے مراد توحید اور احکام کی آیتیں ہیں مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ - الکتاب جنس ہے اور اس سے مراد تورات وانجیل ہے اور عموم کی صورت میں قرآن مجید بھی اس میں شامل ہوگا - یعنی ہم نے آیات بینات اور رشد وہدایت کی باتیں کھول کھول کر اس لئے بیان کیں تاکہ انہیں لوگوں تک پہنچایا جائے - لیکن ان لوگوں نے محض نفسانی خواہشات کی خاطر انہیں چھپا ڈالا اور لوگوں پر ان کو ظاہر نہ کیا - أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ - خدا کی لعنت یہ ہے کہ وہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کردے گا - اور ان کو دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا اور فرشتوں اور جنوں اور انسانوں کی لعنت سے لعنت کی بد دعا مراد ہے - ای يبعدهم عن رحمته ويذيقهم اليم نقمته ..... ان لعنة اللاعنين بمعنى الدعاء عليهم بالابعاد عن رحمة الله تعالىٰ (روح ص۲۸ ج ۲) یعنی حق چھپانے والوں پر خدا کی بھی لعنت اور پھٹکار پڑتی ہے اور انسان اور جن وملک بھی ان پر لعنت کی بد دعا کرتے ہیں - ۲۹۴ یہ ماقبل سے استثناء ہے اور تَابُوْا سے مراد یہ ہے کہ امر قبلہ اور صفا ومروہ کے معاملہ میں انہوں نے حق بات چھپانے سے توبہ کرلی اور اَصْلَحُوا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اصلاح کرلی اور حق بات کو مان لیا اور بَيَّنُوا سے مراد یہ ہے کہ جس حق کو چھپاتے رہے یعنی امر قبلہ اور معاملہ صفا ومروہ - اب اسے خوب بیان کیا اور اس کی خوب اشاعت کی - فَأُولٰئِكَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ یعنی میں ایسی توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرلیتا ہوں وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ - اور نہ صرف توبہ ہی قبول کرتا ہوں بلکہ پچھلے گناہ معاف کرکے اس کو اپنی رحمت میں لے لیتا ہوں یہ تو ان علماء کا حکم تھا جو تحویل قبلہ اور صفا ومروہ کے شعائر اللہ میں سے ہونے کو حق جانتے تھے اور پھر جان بوجھ کر حق چھپاتے تھے لیکن بعد میں توبہ کرلی - اب آگے ان لوگوں کا حکم بیان فرمایا جو سرے سے ان باتوں کو مانتے ہی نہ تھے اور ان کا انکار کرتے تھے - ۲۹۵ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اسم موصول عموم کے لئے ہے اور کفروا سے تمام منکرین اور کفار مراد ہیں کذا قال الامام الرازی (کبیر ص۲۲ ج ۲) أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ - جملہ اسمیہ استمرار اور دوام کے لئے ہے یعنی ایسے لوگوں پر ہمیشہ خدا کی لعنت برستی رہتی ہے اور فرشتے اور تمام انسان بھی ان پر لعنت بھیجتے رہیں گے ۲۹۶ وہ لعنت وپھٹکار میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے عذاب میں نہ کمی کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی -

یہاں تک تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات اور شبہات کا جواب تھا اور کتمان حق کے انجام بد کا ذکر تھا -

ربط گذشتہ آیتوں کا ماقبل سے تو ربط یہ ہے کہ ان میں تحویل قبلہ اور صفا ومروہ سے متعلقہ احکام کو چھپانیوالوں اور سرے سے ان کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید شدید اور کتمان احکام سے توبہ کرنے والوں، اپنی اصلاح کرنے والوں اور ان کو بیان کرنے والوں کے لئے بشارت کا بیان تھا اور مابعد والی آیتوں سے ان کا ربط اس طرح ہے کہ اگلی آیتوں میں دعوٰی توحید کا اعادہ کیا گیا ہے - لہٰذا مسئلہ توحید کو چھپانے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا بھی وہی حشر ہوگا جو پہلے بیان ہوا - ۲۹۷ یہاں دعوٰی توحید کا اعادہ کیا گیا ہے - اس سے یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ سب سے پہلے جس چیز کا اظہار واجب ہے اور جس کا چھپانا کسی حال میں بھی جائز نہیں وہ توحید ہے - لما حذر تعالىٰ من كتمان الحق بين ان اول ما يجب اظهاره ولا يجوز كتمانه امر التوحيد (قرطبی ص۱۹۰ ج ۲) اور اعادہ دعوٰی کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے کہ شروع میں تو شرک فی الدعاء کی نفی تھی - اب یہاں سے شرک فعلی کی نفی مقصود ہے یعنی جس طرح اللہ کے سوا کوئی پکارنے کے لائق نہیں اسی طرح اللہ کے سوا نذر ومنت کا مستحق بھی کوئی نہیں اور نہ ہی کسی کی تعظیم کے لئے سانڈ وغیرہ چھوڑنے جائز ہیں جیسا کہ آگے إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ میں غیر اللہ کی نذر ونیاز اور كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا الخ میں تحریمات لغیر اللہ کا بیان آرہا ہے - اِلٰهٌ سے مراد وہ ذات ہے جو عالم الغیب، قادر علی الاطلاق، مالک ومختار، حاجت روا ومشکلکشا ہونے کی وجہ سے تمام عبادات مالیہ، بدنیہ، اور لسانیہ کی مستحق ہو جسے حاجات میں پکارا جائے، مصائب وبلیات میں جس کی پناہ ڈھونڈی جائے جس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی نذریں اور منتیں دی جائیں - اور رنج وبلا اور قحط ووبا میں جس کی دوہائی دی جائے اس سے مدد طلب کی جائے - اور واحد سے مراد یہ ہے کہ وہ بے مثل اور یگانہ ہے - ذات وصفات میں بے نظیر ہے، اور استحقاق عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں - واكثر الناس على ان الواحد هنا بمعنى لا نظير له ولا شبيه فى ذاته ولا فى صفاته ولا فى افعاله ..... واصح الاقوال عند ذوى العقول السليمة انه الذى لا نظير له ولا شبيه له فى استحقاق العبادة (روح ص۳۰ ج ۲) فرد فى الوهيته لا شريك له فيها ولا يصح ان يسمى غيره الٰهًا (مدارک ص۶۶ ج ۱) لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ - لَا نفی جنس کے لئے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور إِلَّا بمعنی غَيْرُ ہے ای لا اله موجود غيره یعنی نفس الامر اور عالم وجود میں اللہ کے سوا کسی الٰہ کا نام ونشان تک موجود نہیں - پہلے جملہ سے اس بات کی نفی کی ہے کہ دنیا میں مستحق عبادت صرف اللہ ہی ہے اور اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں - تو شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید دنیا میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہو لیکن مستحق عبادت نہ ہو، تو اس جملہ میں سرے سے وجود الٰہ ہی کی نفی فرمادی - وهو مزيح على ما قيل لما عسى ان يتوهم ان فى الوجود الٰهًا لكن لا يستحق العبادة (روح ص۳۰ ج ۲) ۲۹۸ یہ دونوں صفتیں دعوائے توحید پر بطور دلیل لائی گئی ہیں - کیونکہ رحمٰن تو وہ ہے جس نے ہمیں دنیوی انعامات سے مالا مال فرمایا ہے - اور رحیم وہ ہے جو آخرت میں ہم پر اپنی رحمت خاصہ کے دروازے کھولے گا - جب دنیا وآخرت میں وہی ہمارا ولی نعمت اور محسن ومربی ہے اور باقی ساری کائنات ارضی وسماوی اور مخلوقات نوری وناری اور خاکی سب اس کی محتاج ودست نگر ہے تو وہی رحمٰن ورحیم ہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے - اس کے سوا کوئی علوی یا سفلی، ارضی یا سماوی، نوری، ناری یا خاکی عبادت کا مستحق نہیں - نہ پکارنے کے لائق نہ نذر ومنت کے - یہاں تک تو دعوٰی توحید کا اعادہ تھا - آگے اس کے اثبات کے لئے عقلی دلیل بیان کی گئی ہے جو مختلف سات دلیلوں پر مشتمل ہے - ۲۹۹ إِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور خَلْقِ السَّمٰوٰتِ معطوفات اِنَّ کا اسم ہے اور لَاٰيٰتٍ اس کی خبر ہے - زمین وآسمان کا پیدا کرنا اور نہ صرف ان کی ذوات کو بلکہ ان کے دیگر متعلقات کو اور پھر فضائے آسمانی اور بطن ارضی میں بے بہا خزانوں کو پیدا کرنا یہ اس کی توحید کی پہلی عقلی دلیل ہے - وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یعنی رات دن کی آمد ورفت، روشنی اور تاریکی میں، کمی اور زیادتی میں ان کا یہ اختلاف یہ دوسری دلیل ہے - تیسری دلیل وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ یہ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ پر معطوف ہے - لفظ فُلک مفرد وجمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یہاں بطور جمع استعمال ہوا ہے - بِمَا میں مَا مصدریہ ہے یا موصولہ - یعنی جو بحری جہاز سمندروں میں مال تجارت لے کر نقل وحرکت کرتے ہیں، یہ بھی خدا کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے - چوتھی دلیل وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ ــــ الفلك پر معطوف ہے - فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا آسمانوں سے بارش کا اتارنا، پھر اس کے ذریعے خشک اور بنجر زمین کو سرسبز اور شاداب کرنا اور اس میں ہر قسم کی سبزیاں، غلے، پھل پھول اور جڑی بوٹیاں پیدا کرنا یہ سب اس کی وحدانیت کے منہ بولتے دلائل ہیں - پانچویں دلیل وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ یہ أَنْزَلَ پر معطوف ہے - یعنی ہر قسم کے چوپائے اور جانور زمین میں پھیلا دیئے - چھٹی دلیل - وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ یہ مَآ أَنْزَلَ پر معطوف ہے - اور تصریف الریاح سے ہواؤں کا مختلف سمتوں سے چلنا اور مختلف اوصاف سے متصف ہونا مثلاً سرد، گرم، تیز اور آہستہ وغیرہ - ساتویں دلیل وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ بادل کے زمین وآسمان کے درمیان

مسخر اور تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ تو زمین پر اتر آتا ہے اور نہ ہی آسمانوں میں اتنی بلندی پر چلا جاتا ہے جہاں ہمارے لئے اس میں کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ وہ فضا میں معلق رہتا ہے اور خدا کے حکم سے ہوائیں اسے ادھر ادھر لئے پھرتی ہیں (قرطبی ص۲۰۱ ج ۲، روح ص۳۳ ج ۲) لَاٰيٰتٍ یہ اِنَّ کا اسم ہے اور اس کی تنکیر تفخیم شان کیلئے ہے یعنی امور مذکورہ میں بہت زیادہ اور بہت بڑی دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ، رحمت واسعہ اور زبردست حکمت و دانائی پر دلالت کرتی ہیں اور ان سب کا مقتضی یہ ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ یعنی دلائل صرف غور و فکر اور سوچ بچار کرنے والوں کے لئے ہیں۔ بلاشبہ اگر ان دلائل میں فکر و تأمل کیا جائے تو ان سے خداوند ذوالجلال کی وحدانیت کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے اور دل اس حقیقت پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر قسم کی عبادت اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت، گہری حکمت اور وسیع علم کا مالک ہے۔ اس کی رحمت و شفقت کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہے۔

تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مرگئے پیچھے
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ
اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور
السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ
سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ
اللہ کے برابر اوروں کو ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی [illegible] اور
اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ
ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی [illegible] اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ
يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ
دیکھیں گے عذاب کہ قوت ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا
شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ
عذاب سخت ہے [illegible] جبکہ بیزار ہو جائیں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
جو ان کے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے انکے
الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
سب علاقے [illegible] اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا ملتا

مراد تحریمات سے مشرکین کی جو شرک اعتقادی کے ساتھ شرک فعلی بھی کرتے تھے ۱۲

پھر ان تمام صفات و افعال میں وہ واحد و یکتا ہے۔ ان افعال میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ حصر مخاطبین کے عقائد کے مطابق ہی، کیونکہ مشرکین مکہ ان تمام امور کو خدا ہی کے ساتھ مخصوص مانتے تھے اور ان افعال میں وہ کسی کو خدا کا شریک نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ خود قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے۔ تو جب ان تمام صفات و افعال میں وہ یکتا و بے ہمتا ہے تو پھر استحقاقِ عبادت میں بھی اسے واحد و یکتا ہی سمجھو۔ اسی کے سامنے جھکو، اسی کو پکارو اور اسی کی رضا جوئی کے لئے نذریں اور منتیں دو۔

یہاں دعویٰ توحید کے اعادہ سے شرک فعلی یعنی غیر اللہ کی نذر و نیاز اور تحریمات لغیر اللہ کی تردید مقصود ہے اور اسی پر یہ سات عقلی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ساتوں دلائل نہایت لطیف اور دلنشیں پیرایہ میں اس دعویٰ پر منطبق ہوتے ہیں۔ نذر و منت ہمیشہ تین چیزوں سے دی جاتی ہے۔ (۱) زمین کی پیداوار مثلاً غلے، پھل، میوے اور کپڑے وغیرہ (۲) جانور۔ (۳) نقد روپیہ اللہ تعالیٰ نے یہ عقلی دلیل اس بات پر قائم فرمائی ہے کہ تینوں چیزوں میں سے کسی چیز کی نذر و منت خدا کے سوا کسی کے لئے عقلاً جائز نہیں اور صرف خدا ہی ہر قسم کی نذر و منت کا مستحق ہے۔ دلیل کے دعویٰ پر انطباق کی صورت حسب ذیل ہے۔ غلے پھل وغیرہ سب زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ زمین اپنی قوت نامیہ کے ذریعہ ان کی پرورش کرتی ہے۔ بارش کے ذریعہ زمین کی قوتِ نامیہ میں اضافہ ہوتا ہے اور بارش ہی سے یہ قوت زمین میں محفوظ رہتی ہے اور بارش ہی سے کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوتی ہیں۔ رات کے وقت چاند اور ستاروں کے اثرات سے پھلوں اور میووں کے ذائقوں اور رنگوں کی تکمیل ہوتی ہے دن کی گرمی اور رات کی شبنم کھیتوں، پھلوں اور میووں کو پختگی کی حد تک پہنچاتی ہے اور پھر ہر جاندار اور ذی روح (جس کا بیدا کرنیوالا اللہ ہی ہے) کی زندگی اور حیات زمین کی مذکورہ بالا پیداوار پر ہی موقوف ہے۔ اس کے بعد زمین کی اس پیداوار اور ان جانوروں کے ذریعہ ہی تم اپنے ملک میں اور بحری جہازوں کے ذریعہ دوسرے ملکوں میں تجارت کرکے دولت کماتے ہو۔ تو یہ تینوں چیزیں زمین کی پیداوار جانور اور دولت کہ جن جن ذرائع و اسباب سے حاصل کرتے ہو ان تمام ذرائع اور اسباب کا خالق تم بھی مانتے ہو کہ اللہ ہی ہے اور یہ تمام اسی کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہیں اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔ اور تم نے جو خدا کے سوا معبود بنا رکھے ہیں ان میں سے کسی نے ان چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں بنائی اور نہ ہی ان کو ان چیزوں کا علم ہے۔ تو اب عقل و دانش اور جذبۂ شکر گذاری و نعمت شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ اس رحمٰن و رحیم اور محسن و منعم کے ان بے پایاں احسانات و انعامات کا شکر ادا کرنے اور اس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے اسی کی نذریں، نیازیں اور منتیں دی جائیں۔ زمین کی پیداوار میں اسی کے نام کا حصہ مقرر کیا جائے۔ روپیہ اسی کے نام پر خرچ کیا جائے۔ جانور اسی کا تقرب ڈھونڈنے کیلئے اسی کی تعظیم کے لئے اسی کے نام پر قربان کئے جائیں ۳۰ یہ مشرکین کیلئے زجر ہے توحید پر عقلی دلائل قائم کرنے کے بعد ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو ان واضح اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے پھر شرک کرتے ہیں اور اپنے معبودوں کے ساتھ خدا کی محبت کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔ اَنْدَادًا ۔ نِدٌّ کی جمع ہے جس کے معنی مثل اور مشابہ کے ہیں اور یہاں انداد سے مراد اوثان ہیں۔ یعنی پتھر کی وہ مورتیاں جو مشرکین نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شکل وصور

پربنا رکھی تھیں اور ان سے محبت اور تعظیم کا وہی معاملہ کرتے تھے جو انہیں خدا سے کرنا چاہئیے تھا۔ خداوند تعالیٰ چونکہ خالق و مالک اور محسن و منعم ہے لہٰذا اس کی محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے
اور اسی کے سامنے جھکا جائے، اسی سے مانگا جائے اور اسی کی نذر و منت دی جائے۔ مگر مشرکین یہی معاملات اپنے انداد سے کرتے ہیں جنہیں انہوں نے خدا کے سوا کارساز بنا رکھا ہے۔ ان کی عبادت کو خدا کے
تقرب کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ ان سے نفع و نقصان کی امید رکھتے ہیں۔ ان کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں ان کے لئے نذریں مانتے اور ان کی خوشنودی اور تعظیم کے لئے بحیرہ، سائبہ چھوڑتے ہیں۔ انہا ھی الاوثان التی
اتخذوھا آلھۃ لتقربھم الی اللّٰہ زلفًا و رجوا من عندھا النفع والضر و قصدوھا بالمسائل و نذروا لھا النذور و قربوا لھا القرابین وھو قول اکثر المفسرین (کبیر مختصرًا) ج
بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں انداد اور اوثان و اصنام سے پتھر کے تراشیدہ بت مراد ہیں مشرکین انہیں کو سب کچھ سمجھتے تھے اور انہیں کے لئے سب کچھ کرتے تھے مگر یہ سمجھنا نادانی ہے کیونکہ بت

فَتَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ
تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں ۔ اسی طرح پر دکھلاویگا
اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ
اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو ۔ اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں
مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ
نار سے ۔ ف۱ ے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے
حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ
حلال پاکیزہ ۔ اور پیروی نہ کرو شیطان کی ۔
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ
بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح ف۲ وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ برے کام
وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ
اور بے حیائی کرو ۔ اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جو تم نہیں جانتے ف۳
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ
اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو
نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ
تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو ۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے
لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ ف۴ اور مثال ان
كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً
کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے
وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾
اور چلانے کے ۔ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے ف۵

ع ۲۰ ۴

منزل ۱

[margin notes:] ۱؎ تحریمات مشرکین کا بیان ۱۲
۲؎ یعنی بحیرہ سائبہ نہ بناؤ ۱۲
۳؎ مراد ننگے ہو کر طواف کرنا ۱۲

تو انہوں نے محض توجہ کی یکسوئی اور یادگار کے طور پر رکھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ عبادت و تعظیم کا جو سلوک کرتے تھے وہ محض اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان کے بزرگوں کے مجسمے اور ان کی یادگاریں ہیں اور اس عبادت و تعظیم سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہمارے بزرگوں کی ہمیں خوشنودی حاصل ہو جائے اور وہ ہماری حاجت روائی اور مشکلکشائی کر دیں۔ اگر کوئی شخص بت نہ بنائے اور بت کے بغیر ہی اللہ کے نیک بندوں سے محبت و عقیدت اور عبادت و تعظیم کا وہی برتاؤ کرے جو اسے اللہ سے کرنا چاہئیے مثلاً اسے عالم الغیب، مالک، مختار، حاجت روا اور مشکلکشا سمجھے اور اس کی خوشنودی کے لئے اس کے نام کی نذر نیاز دے اور اس سے نفع و نقصان کی توقع رکھے تو اس شخص نے اس اللہ کے نیک بندے کو خدا کا نِدّ بنایا اور اسے اس وحدہٗ لاشریک کا مثل اور شریک ٹھہرایا۔ کیونکہ اس نے اس سے محبت کا وہ معاملہ کیا جو اسے صرف خدا ہی سے کرنا چاہئیے تھا۔ اس لئے یہاں انداد کے تحت ہر وہ شخص اور ہر وہ چیز مندرج ہے جس سے خدا کی محبت کا سا سلوک کیا جائے۔ ۱۰؎ مشرکین نے تو خدا کی محبت میں کئی ایک شریک بنا رکھے ہیں لیکن مومنین خدا کی محبت میں کسی کو اس کا مثل اور شریک نہیں سمجھتے اور غیر خدا کے ساتھ خدا کی محبت کا سا سلوک نہیں کرتے اور خدا کی محبت ان کے دلوں میں ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر ہے۔ محبت کے درجات مختلف ہیں۔ خدا کی محبت، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، بزرگانِ دین کی محبت، ماں باپ کی محبت، بھائی بہنوں کی محبت، اولاد کی محبت وغیرہ۔ ہر ایک سے محبت کا وہی سلوک کیا جائے گا جو اس کے شایانِ شان اور مناسب حال ہو۔ خدا کی محبت یہ ہے کہ اسی کی عبادت بجا لائے، اسی کو پکارے، اسی سے مانگے، اسی کی نذر و منت دے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ پیغمبر علیہ السلام کی محبت یہ ہے کہ آپ کو خدا کا سچا اور آخری رسول مانے۔ دل و جان سے آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے، آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے اور اسی میں اپنی سعادت اور نجات سمجھے۔ بزرگانِ دین کی محبت یہ ہے کہ انہیں اپنے پیشوا سمجھے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ اب کوئی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے لگے۔ آپ کو مالک و مختار سمجھ کر پکارنے لگے۔ آپ کی نذریں منتیں دینے لگے تو وہ محب رسول نہیں بلکہ مشرک ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے پیر و مرشد کو مثیل رسول سمجھنے لگے اور شریعت کے احکام میں اسے پیغمبر کی طرح اتھارٹی ماننے لگے تو وہ بھی اس اندھی محبت کی وجہ سے ۔

موضح قرآن ف۱ جن کو لوگ پوجتے ہیں سوا اللہ کے وہ اس روز پوجنے والوں کو جواب دیں گے اور ان کی امید سب طرف سے ٹوٹے گی اور افسوس کھاویں گے اس وقت کچھ فائدہ نہیں افسوس کا یہاں سے بت پرستوں کا احوال ہے ف۲ عرب کے لوگوں نے دین ابراہیم کی طرح بگاڑا تھا اول سوا خدا اوروں کو پوجنے لگے اور ان کی نیاز جانور ذبح کرتے کہ وہ مردار ہوتا ہے اور کفر ہے اور مویشی میں سے کئی چیزیں حرام ٹھہرالیں۔ سورۂ مائدہ اور انعام میں جن کا بیان ہے اور گوشت خوک حلال سمجھا ان باتوں پر اللہ تعالیٰ ان کو الزام دیتا ہے۔ ف۳ یعنی مسئلے اپنی طرف سے بناؤ جیسے اب بھی غلط العام بہت ٹھہر رہے ہیں ۱۲ ف۴ یعنی جب معلوم ہوا کہ باپ دادوں کی رسم خلاف حکم خدا ہے پھر اس پر نہ چلئے ف۵ یعنی ان کافروں کو سمجھانا ایسا ہے جیسا کوئی جنگل کے جانوروں کو بلاوے وہ سوائے آواز کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی حال ہے جو شخص کہ آپ علم نہ رکھے اور علم والوں کی بات قبول نہ کرے ۔ ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید اہل جاہلیت چیزہا از نزد خویش حرام ساختہ بودند مانند بحائر و سوائب خدائے تعالیٰ در ردِ ایشاں نازل کرد واللہ اعلم ۱۲ ۔

کافر ہو جائے گا۔ اس لئے ہر ایک سے اس کے مناسب حال محبت کرنی لازم ہے۔ **۳۰۲** یہ مشرکین کے لئے تخویف ہے۔ اس آیت میں دو ترکیبیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ لَوْ شرطیہ ہے اور اس کا جواب
شدید العذاب کے بعد محذوف ہے یعنی لما فعلوا اور یری کا مفعول حال انفسہم محذوف ہے اور اذ یرون العذاب ظرف یری کے متعلق ہے اور عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے اور ان القوۃ
سے پہلے باسببیہ محذوف ہے اور یہ اذ یرون کا سبب ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ قیامت میں جب وہ اللہ کا عذاب دیکھیں گے اس
وقت ان کا کیا حال ہوگا تو وہ ہرگز شرک نہ کریں اور وہ عذاب اس لئے پائیں گے کہ قیامت کے دن سارا زور اور اختیار صرف اللہ کا ہوگا اور اس کا عذاب نہایت سخت ہوگا اور جن کو مشرکوں نے اپنے سفارشی
اور حیلہ ساز سمجھا ہوا تھا وہ سب بے بس اور عاجز ثابت ہوں گے۔ اس صورت میں اذ تبرأ، اذ یرون العذاب سے بدل ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لَو تمنی کے لئے ہے جس کا جواب نہیں ہوتا۔
یری بمعنی یعلم ہے (قرطبی ص۲۰۴ ج ۲) اور عذاب سے دنیوی عذاب مراد ہے ان القوۃ الخ اور ان اللہ الخ منصوب بنزع خافض۔ یری کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔ اور مطلب یہ ہے
کاش یہ مشرک جب دنیا میں مصائب و آلام کی صورت میں خدا کا عذاب دیکھتے تھے اس وقت وہ اس بات کا یقین کر لیتے کہ ہر قسم کی قوت و طاقت اور تصرف و اختیار صرف خدا ہی کو حاصل ہے
اور اس کی گرفت نہایت زبردست ہے اور یہ بات ان کی سمجھ میں آجاتی کہ اللہ کے سوا کوئی پیغمبر یا ولی یا جن و فرشتہ ناصر و مددگار اور مختار و متصرف نہیں اور نہ اللہ کے عذاب سے کوئی بچا سکتا
ہے۔ اس صورت میں اِذْ تَبَرَّاَ تخویف اخروی کے لئے استیناف ہوگا۔ **۳۰۳** یہ تخویف اخروی ہے۔ قیامت کے دن جب مشرکین اپنے معبودوں اور مشرک پیشواؤں اور پیروں کو مدد کے لئے پکاریں گے تو
وہ ان سے جدا ہو جائیں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اس آیت میں قیامت کا یہ حسرتناک منظر پیش کیا گیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا (یعنی متبوعین) سے یہاں مشرک علماء اور رؤسا مراد
ہیں جو دنیا میں اپنے ماننے والوں اور ماتحتوں کو شرک سکھایا کرتے تھے اور توحید سے انہیں دور رکھا کرتے تھے۔ انہم السادۃ من مشرکی الانس (کبیر ص۱۱۱ ج ۲) بِہِمُ میں ب بمعنی عن ہے
اور اسباب سے مراد محبت، نسل اور دین کے وہ تعلقات ہیں جن کو مشرکین نے اپنی نجات کے لئے کافی سمجھ رکھا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ منظر بھی سامنے لاؤ جب متبوعین یعنی شرک کے داعی اور مبلغ
اپنے ماننے والوں سے بیزار ہو کر ان سے جدا ہو جائیں گے۔ اپنا بد انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان کے تمام باہمی مزعومہ رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ چنانچہ متبوعین ان سے صاف کہدینگے
اَنَحْنُ صَدَدْنٰکُمْ عَنِ الْھُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَکُمْ بَلْ کُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ (سورۃ السبا ع ۴) **۳۰۴** مشرکین انتہائی حسرت و یاس کے عالم میں آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں دوبارہ
دنیا میں بھیجا جائے اور ہم ان سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جس طرح آج انہوں نے ہم کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو ہم کبھی شرک نہیں کریں گے اور صرف اللہ ہی کی عبادت
کریں گے اور ان گمراہ کرنے والوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے فلا نلتفت الیہم بل نوحد اللہ وحدہ بالعبادۃ (ابن کثیر ص۲۰۳ ج ۱) **۳۰۵** کذلک یہاں ویسا ہی ہے جیسا کہ
کذلک جعلنکم امۃ وسطاً میں ہے اور رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے اور حسرات اعمالہم سے حال ہے و حال من اعمالہم ان کانت بصریۃ (روح ص۳۶ ج ۲)
یعنی اس طرح ان کے مزعومہ اسباب نجات کو باطل کر کے اور ان کی آرزوؤں پر پانی پھیر کر ہم ان کے اعمال کو سراپا حسرت و ندامت بنا کر ان کو دکھائیں گے یعنی ان کی وہ تمام عبادتیں
جو دنیا میں انہوں نے کی تھیں شرک کی وجہ سے سب رائیگاں جائیں گی اور آخرت میں حسرت و ندامت کے بغیر انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ **۳۰۶** اور وہ کفار اور مشرکین کبھی جہنم سے نہیں نکل سکیں گے
یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کفار اور مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ دلیل علی خلود الکفار فیہا وانہم لا یخرجون منہا (قرطبی ص۲۰۶ ج ۲) وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ کی ترکیب
مسند الیہ میں نفی حصر کا فائدہ دیتی ہے یعنی خروج من النار کی نفی کفار میں محصور ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو مومن گنہگار اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں جائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ
نہیں رہیں گے جیسا کہ معتزلہ و خوارج کا خیال ہے۔ المتبادر فی امثالہ حصر النفی فی المسند الیہ ...... ففیہ اشارۃ الی عدم خلود عصاۃ المؤمنین الداخلین فی قولہ تعالٰی
والذین اٰمنوا اشد حبا للہ فی النار (روح ص۳۷ ج ۲) **۳۰۷** دلائل توحید اور مشرکین کے لئے تخویف اخروی کے بعد اب آگے شرک فعلی کی دونوں قسموں یعنی تحریم لغیر اللہ اور نذر لغیر اللہ یا
بالفاظ دیگر تحریمات مشرکین اور نیازات مشرکین کی تردید کی گئی ہے مشرکین اپنے معبودوں کو خوش کرنے کے لئے دو قسم کا شرک فعلی کیا کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ جانوروں کو اپنے معبودوں
کے لئے نامزد اور معین کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ وہ جہاں چاہیں بلا روک ٹوک گھومیں پھریں اور کھائیں پئیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سے ہمارے معبود ہم پر خوش اور مہربان ہو جائیں گے اور
آڑے وقت ہماری مدد کریں گے اور ہمارے مال و جان میں برکت دیں گے اور ہم سے بیماری اور تکلیف دور کریں گے۔ ایسے جانوروں کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ بنایا ہوا تھا کہ ان کا کھانا، ان کا
دودھ پینا اور ان سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔ وہ اس کے کھانے اور اس سے انتفاع کو حرام سمجھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے اس جانور کو استعمال کیا یا اسے کوئی تکلیف پہنچائی تو ہمارے
معبود ہم پر ناراض ہو جائیں گے اور ہمیں تکلیف پہنچائیں گے تو یہ مشرک اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے معبودوں کی خوشی کے لئے محض اپنے وہم باطل اور خیال خام کے تحت حرام کر دیتے تھے حالانکہ
انہیں اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہ تو تحریمات مشرکین یا تحریمات لغیر اللہ ہیں۔ شرک فعلی کی دوسری قسم یہ تھی کہ وہ مصائب سے نجات اور مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنے معبودوں کی نذریں
اور منتیں مانتے تھے۔ مثلاً کہتے تھے کہ اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا یا فلاں مصیبت ٹل گئی تو ہم فلاں معبود کے استھان اور اس کی عبادت گاہ پر غلہ، نقدی، کپڑا یا کوئی جانور بطور نذر و نیاز لے جائیں گے
یا وہاں لے جائے بغیر ہی غرباء میں تقسیم کر دیں گے۔ اور کبھی ایسا بھی کرتے تھے کہ حاجت اور مصیبت کے بغیر ہی اپنے مال مویشی میں اپنے معبودوں کا حصہ مقرر کر دیتے تھے اور اس سے ان کا مقصد
ہوتا تھا کہ ہمارے معبود ہم سے خوش رہیں گے اور ہمارے مال و جان میں برکت دینگے اور ہمارے مال و جان کو مصائب اور بیماریوں سے محفوظ رکھیں گے۔ یہ نذور مشرکین یا نذور لغیر اللہ کہلاتی ہیں
اور ان کے متعلق مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے حالانکہ یہ چیزیں تقرب غیر اللہ کیلئے نامزد ہو جانے کی وجہ سے حرام ہیں۔
یہاں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کی تعیینات اور تخصیصات کا حکم بیان فرمایا۔ جو مشرکین نے اپنے زعم میں جائز کر رکھی تھیں چنانچہ فرمایا کہ جن حلال و طیب چیزوں کو تم نے اپنی طرف سے حرام کر رکھا
ہے وہ حلال ہیں ان کو کھاؤ اور جو نذریں نیازیں تم نے غیر اللہ کی خوشنودی اور تعظیم کے لئے مقرر کر رکھی ہیں اور انہیں تم حلال سمجھتے ہو، وہ قطعاً حرام ہیں انہیں مت کھاؤ چنانچہ پہلے یٰٓاَیُّھَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا سے اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ تک تحریمات مشرکین یعنی تحریم لغیر اللہ کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اِنَّمَا حَرَّمَ سے لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ تک نذر لغیر اللہ کا حکم
بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت ان جانوروں کی حلت کا اعلان کرنے کے لئے نازل ہوئی جن کو بعض لوگوں نے بالکل حرام کر رکھا تھا یعنی بحیرہ سائبہ
وغیرہ قال ابن عباس رض نزلت الآیۃ فی الذین حرموا علی انفسہم السوائب والوصائل والبحائر (کبیر ص۱۱۳ ج ۲) انہا نزلت فی ثقیف وخزاعۃ وبنی مدلج فیما حرموہ
علی انفسہم من الانعام (قرطبی ص۲۰۷ ج ۲) اس آیت میں حلالاً طیباً سے وہ حلال جانور مراد ہیں جو مشرکین نے اپنی طرف سے حرام کر رکھے تھے مثلاً بحیرہ، سائبہ وغیرہ وقد فسرہا بعضہم بالبحیرۃ
والسائبۃ والوصیلۃ والحام یعنی کلوا البحیرۃ واخواتہا ولا تاکلوا المیتۃ واخواتہا (تفسیر احمدی ص۳۰) اس مسئلہ کی مزید تحقیق سورۂ مائدہ ع ۱۴ میں آئے گی۔ اس آیت سے تمام

حلال اشیاء سے انتفاع کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔ **۳۰۸** خطوات خطوۃ کی جمع ہے یعنی نقوش قدم ای اثارہ کما حکی عن الخلیل (روح ص۴۲ ج ۲) اور اس سے وہ تمام گمراہی کے طریقے مراد ہیں جو شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ اور اس کے جاری کئے ہوئے طریقوں مثلاً تحریمات لغیر اللہ وغیرہ سے پرہیز کرو۔ وھی طرائقہ ومسالکہ فیما اضل اتباعہ فیہ من تحریم البحائر والسوائب والوصائل ونحوھا (ابن کثیر ص۲۰۵ ج ۱) یہ شیطان سے نفرت دلانے کے لئے فرمایا۔ یعنی شیطان تو تمہارا علانیہ دشمن ہے وہ ہمیشہ تمہیں ہلاکت وتباہی کی راہ ہی بتائیگا **۳۰۹** اِنَّمَا کلمہ حصر ہے اور مطلب یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ شیطنت ہی کرے گا۔ اس سے بھلائی یا خیر خواہی کی کوئی توقع نہیں۔ السُّوْءِ سے مراد وہ افعال ہیں جو عقلاً برے اور قبیح ہوں اور الفحشاء وہ جنکو شریعت نے بھی برا ٹھہرایا ہو۔ یہاں الفحشاء سے طواف بحالت عریانی مراد ہے۔ مشرکین ننگا طواف کرنے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا

اور شکر کرو اللہ کا ۳۱۳ اگر تم اسی کے بندے ہو اس نے تم پر

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سؤر کا

وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ

اور اس جانور پر پکارا جائے اللہ کے سوا کسی کا نام ۳۱۴ پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور

لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں ۳۱۵ بے شک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ف ف۱

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے

الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۤئِكَ

کتاب ۳۱۶ اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول وہ

مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ ۳۱۷ اور نہ بات کریگا ان سے

اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اللہ قیامت کے دن ۳۱۸ اور نہ پاک کریگا ان کو اور ان کے لئے ہے عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

دردناک یہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو

بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى

بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں وہ

کو بھی اپنے معبودوں کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے اس لئے باقی امور شرکیہ کے ساتھ اس سے بھی منع فرمایا۔ **۳۱۰** یہ السُّوْءِ پر معطوف ہے۔ قول بغیر علم سے یہاں خدا پر افترا مراد ہے یعنی جس طرح شیطان دیگر برے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح وہ دین کے بارے میں خدا پر بہتان تراشی پر اکساتا ہے۔ جو لوگ اپنی خواہشات نفس کو دین کہتے ہیں، وہ خدا پر افترا کرتے ہیں کیونکہ ان کی خواہشات کو خدا نے دین نہیں بنایا۔ چنانچہ خدا کی حلال چیزوں کو حرام کرنا اور حرام چیزوں کو حلال ٹھہرانا اور برہنہ ہو کر طواف کرنے کو عبادت سمجھنا یہ سب خدا پر افترا اور شیطان کا فریب ہے **۳۱۱** مشرکین اپنے باپ دادا کی دیکھا دیکھی شرک کرتے تھے اور انہی کی تقلید میں اپنی طرف سے اشیاء کی تحریم کرتے تھے۔ جب انہیں کہا جاتا کہ ان آبائی رسموں کو چھوڑ کر خدا کی کتاب کی پیروی کرو تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے دین ہی کی پیروی کرینگے اور اس کے مقابلہ میں کسی اور دین کو نہیں مانیں گے۔ یہ ان کی جہالت اور ضد وجمود کی حد تھی تو اللہ تعالیٰ نے آگے اس کا جواب دیا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ یعنی اگر ان کے آباء واجداد صاحب علم ہوتے، توحید کو جانتے ہوتے اور راہ ہدایت پر ہوتے اور پھر یہ لوگ ان کا اتباع کرتے تو کوئی بات بھی تھی۔ تو کیا اگرچہ وہ دین سے ناواقف اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں پھر بھی یہ ان کا اتباع کریں گے۔ **۳۱۲** یہ کفار ومشرکین کی مثال ہے جو اندھا دھند اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ مَا اسم موصول ہے، اور اس سے مراد چوپائے ہیں جو آواز تو سنتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں۔ یہ مشرکین کی نادانی اور بے حسی کی مثال ہے یعنی جس طرح ایک چوپائے کو آواز دی جائے تو وہ آواز تو سن لے گا لیکن جو کچھ اس کو کہا گیا ہے اس کا مطلب نہیں سمجھے گا۔ اسی طرح ان کا حال ہے کہ یہ آواز تو سن لیتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں عن مجاھد کمثل الذی ینعق مثل ضربہ اللہ لمن یسمع مایقال لہ ولا یعقل کمثل البھیمۃ تسمع النعیق ولا تعقل (ابن جریر ص۴۶ ج ۲) یہ آواز حق سے بہرے ہیں۔ کیونکہ اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے اور حق بات کا اقرار کرنے کے لئے ان کی زبانیں گونگی ہیں اور وہ سیدھی راہ سے اندھے ہیں۔ جب علم کے تمام راستے ہی بند ہیں تو کیا خاک سمجھیں گے۔ **۳۱۳** پہلے عام انسانوں سے خطاب تھا۔ اب مسلمانوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ مشرکین کی طرح حلال وحرام کے بارے میں من مانی نہ کریں اور جن چیزوں کو ہم نے حلال کیا ہے ان کو نہ صرف حلال سمجھیں بلکہ ان کو کھائیں اور اس طرح اپنے عمل سے بھی اپنے اعتقاد کی تصدیق کر دیں بعض اوقات انسان ایک چیز کو عقیدے کی حد تک تو مان لیتا ہے لیکن اس پر عمل کرنے سے جھجکتا ہے اس لئے ایمان والوں سے

موضح قرآن ف یعنی مواشی ہو اتنی ہی چیزیں حرام ہیں سو بھی جب آدمی بھوک سے مرنے لگے تو یہ بھی معاف ہیں بشرطیکہ بے حکمی نہ کرے یعنی نوبت اضطرار کی نہیں پہنچی اور کھانے لگے اور زیادتی نہ کرے قدر ضرورت کھاوے ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید اگر گوئی کہ دریں آیت حصر کردہ شد تحریم را در اشیاء مذکورہ حالانکہ در حدیث سباع وحمار ومانند آنہا نیز حرام شمردہ شدہ است پس وجہ تطبیق چہ باشد گوئیم حصر اضافی است بہ نسبت بحائر وسوائب کہ تمام می دانستند پس در بہیمۃ الانعام ہیچ چیز حرام نیست غیر اشیاء مذکورہ وور خبائث وسباع مانند آں سخن نداشتند ۲

ارشاد فرمایا کہ اگر واقعی دل وجان سے تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو اور تحریمات لغیر اللہ کے ذریعے شرک سے سچی توبہ کر چکے ہو تو اس بات کا عملی ثبوت بھی دو اور وہ یہ ہے کہ سائبہ بحیرہ وغیرہ کو کھاؤ اور ان سے فائدہ اٹھاؤ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ ابھی تم خالص اللہ کی عبادت نہیں کر رہے ہو بلکہ تمہارے اعمال میں ابھی شرک کا شائبہ موجود ہے۔ اور پھر اللہ کا شکر بھی بجا لاؤ جس نے تم کو یہ حلال چیزیں عطا فرمائی ہیں کیونکہ اس کا شکر بھی ایک بہت بڑی عبادت ہے اور اس کے بغیر عبادت کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی دی ہوئی حلال چیزوں کا ایک شکریہ یہ بھی ہے کہ انہیں شرک کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اپنی طرف سے ان کو حرام نہ کیا جائے۔ **۳۱۴** اب یہاں سے ان چیزوں کی حرمت کا بیان شروع ہوتا ہے جن کو مشرکین حلال سمجھتے تھے۔ اس آیت میں حصر کے ساتھ چار چیزوں کی حرمت بیان کی گئی ہے (۱) مردار (۲) بہنے والا خون (۳) خنزیر (۴) نذر لغیر اللہ۔ اب ایک اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اِنَّمَا کلمۂ حصر استعمال کر کے حرام چیزوں کو صرف چار میں بند کر دیا ہے حالانکہ ان چار چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں جن کی حرمت خود قرآن میں اپنی اپنی جگہ مذکور ہے تو پھر اس حصر کا کیا مطلب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں چوپایوں کی حلت وحرمت کا کوئی قانون بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود صرف مشرکین کی خود ساختہ تحلیل کی تردید ہے۔ مشرکین نے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کو جن کا ذکر سورۂ مائدہ میں آئے گا، اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ حرام نہیں ہیں بلکہ حرام تو صرف یہ اشیاء ہیں۔ لیس المراد من الاٰیۃ قصر الحرمۃ علی ما ذکر مطلقاً کما ھو الظاھر۔۔۔۔ بل مقید بما اعتقدوہ حلالاً (روح ص۴۳ ج ۲) میتۃ سے مراد ہر وہ جانور ہے جو ذبح کئے یا ہلاک کئے بغیر از خود مر جائے یا اسے ذبح تو کیا جائے لیکن وہ ذبح شرعی طریقہ کے مطابق نہ ہو۔ وھی التی ماتت من غیر ذکوۃ شرعیۃ (روح ص۱۱۵ ج ۲) جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اس کے باقی تمام اجزا سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں۔ البتہ اس کے بال، ہڈی بشرطیکہ اسے تمام رطوبتوں سے پاک صاف کر لیا گیا ہو اور اس کا چمڑہ دباغت (رنگائی) کے بعد پاک ہیں۔ ان کا استعمال جائز ہے اور دَمٌ (خون) سے مراد دم مسفوح ہے یعنی وہ خون جو جانور کے بدن کے کسی حصہ سے بہہ کر نکلے جیسا کہ ذبح کے وقت رگوں سے خون نکلتا ہے۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ خنزیر کے تمام اجزا یعنی گوشت کھال، ہڈی، چربی، بال وغیرہ سب حرام ہیں۔ اس کے بدن کے کسی حصہ سے انتفاع جائز نہیں کیونکہ وہ نجس العین ہے اور گوشت کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ گوشت ہی جانور کا مقصودی اور ضروری حصہ ہوتا ہے جب وہ حرام ہے تو باقی اجزا بطریق اولیٰ حرام ہوں گے۔ ان محرمات میں سے چوتھی چیز مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ہے اُهِلَّ اِھْلَال سے ہے جس کے معنے آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے ہیں۔ الاھلال اصلہ رفع الصوت (کبیر ص۱۲ ج ۲) یعنی وہ جانور بھی حرام ہیں جنہیں غیر اللہ کے نام پر شہرت دیدی جائے۔ اور غیر اللہ کی تعظیم اور خوشنودی کے لئے نامزد کر دیا جائے ــــــ مثلاً اگر کسی مشرک نے اپنے معبود کے لئے بکرا یا مرغا نامزد کر دیا یا کسی مسلمان نے کسی نبی یا ولی کے لئے کوئی جانور نامزد کر دیا اور مقصد یہ رکھا کہ یہ راضی ہو جائیں گے اور میری حاجت پوری کر دیں گے یا مشکل آسان کر دیں گے تو یہ جانور حرام ہیں اگر اسی نیت سے ان کو ذبح کیا گیا اور ذبح کے وقت خدا ہی کا نام لے کر ان کی گردن پر چھری چلائی تو پھر بھی یہ حلال نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اس مشرکانہ نیت کی وجہ سے وہ جانور حرام ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے وہ حلال اور پاک نہیں ہوگا جس طرح کتا اور خنزیر خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح غیر اللہ کی تعظیم اور خوشنودی کی خاطر نامزد کیا ہوا جانور بھی خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتا۔ جو شخص غیر اللہ کے تقرب اور رضا کے لئے ایسا کرتا ہے یعنی غیر اللہ کے لئے جانور کو نامزد کر کے پھر اسی نیت پر اسے ذبح بھی کر ڈالتا ہے تو وہ شخص مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ ذبیحہ حرام ہوتا ہے۔ قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد (کبیر ص۱۱ ج ۲، نیشاپوری ص۸۱ ج ۲) حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی فتاویٰ عزیزیہ میں رقمطراز ہیں کہ:۔

در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعونٌ من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ۔ زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانست ذکر نام خدا بوقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت وخبثے در آں پیدا شد کہ زیادہ از خبث مردار است وہر گاہ ایں خبث در وے سرایت کرد دیگر بذکر نام خداوند حلال نمی شود مانند سگ وخوک کہ اگر بنام خداوند مذبوح شوند حلال نمی گردند۔ (فتاویٰ عزیزی ص۵۶ ج ۱)

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص جانور ذبح کرنے سے غیر اللہ کا تقرب چاہے وہ ملعون ہے ذبح کے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے کیونکہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں غیر خدا کے لئے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جب وہ جانور بطور نذر و منت غیر خدا کی طرف منسوب ہو گیا تو اس میں مردار سے بھی بڑھ کر نجاست پیدا ہو گئی اور اس میں اس طرح گھس جائے گی کہ اب وہ خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کتا اور خنزیر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتے۔

اس کی مزید تحقیق سورۂ مائدہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ **۳۱۵** اس آیت میں اضطراری حالت کا حکم بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مر جا رہا ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز موجود نہ ہو یا کسی کو کسی ظالم وجابر نے حرام چیز کھانے پر مجبور کیا ہو اور نہ کھانے کی صورت میں جان کا خطرہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں مذکورہ بالا حرام چیزوں مثلاً غیر اللہ کی نیاز وغیرہ میں سے بقدر ضرورت کھا لے تو اسے گناہ نہیں ہوگا وھذہ الضرورۃ لھا سببان احدھما الجوع الشدید وان لا یجد ماکولا حلالا یسد بہ الرمق فعند ذلک یکون مضطرا الثانی اذا اکرھہ علی تناولہ مکرہ فیحل لہ تناولہ (کبیر ص۱۳ ج ۲) مگر اس اجازت کے ساتھ دو قیدیں بھی لگا دیں ایک غیر باغ کی اور دوسری ولا عاد کی۔ غیر باغ کا مطلب یہ ہے کہ صرف بوقت ضرورت کھائے اور بلا ضرورت نہ کھائے اور ولا عاد کا مطلب یہ کہ بقدر سد رمق کھائے اور ساتھ نہ لے جائے مگر آج کل عرسوں میں کیا ہوتا ہے غیر اللہ کی نیازیں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور پھر بطور تبرک باندھ کر ساتھ گھر لے جاتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ جو تمہارے گناہوں پر بھی بعض اوقات مواخذہ نہیں کرتا اور مشکل اوقات میں آسانیاں بہم پہنچا دیتا ہے **۳۱۶** نذر غیر اللہ کے احکام بیان کرنے کے بعد اب ان لوگوں کے لئے زجر اور تخویف اخروی بیان فرمائی جو نہ صرف یہ کہ نذر غیر اللہ کے احکام چھپاتے ہیں بلکہ خود غیر اللہ کی نذریں نیازیں کھاتے بھی ہیں جن کو اللہ نے صاف صاف حرام فرمایا ہے۔ آج کل جو مولوی اور گدی نشین نذر و نیاز کا صحیح مسئلہ بیان نہیں کرتے بلکہ خود غیر اللہ کی نیازیں مزے سے کھاتے ہیں ان کے لئے بھی آخرت میں یہی سزا مقرر ہے۔ یہ آیت اگرچہ یہود کے حق میں نازل ہوئی تھی جو تورات میں بیان کئے ہوئے حلت وحرمت وغیرہ کے احکام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تورات میں بیان کردہ اوصاف چھپاتے تھے لیکن اس کا حکم عام ہے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کو بھی شامل ہے جو خدا کی کتاب کے احکام کما حقہ لوگوں تک نہیں پہنچاتے خصوصاً توحید کے اثبات اور شرک و بدعت اور نیازات غیر اللہ کی تردید کے متعلق قرآنی آیات کو لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے۔ اور اس حق پوشی سے ان کا مقصد صرف دنیا کی حقیر دولت کمانا اور اپنی گدیوں کو محفوظ کرنا ہوتا ہے کیونکہ حق بتلانے سے ناجائز نذر و نیاز کی تمام آمدنیاں بند ہو جاتی ہیں اس لئے ان دنیوی منافع اور آمدنیوں کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نذر غیر اللہ کے خدائی احکام لوگوں سے چھپائیں کیونکہ اگر عوام کو معلوم ہو جائے کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز دین میں ناجائز اور حرام ہے تو پھر وہ کیوں انہیں نذریں نیازیں پیش کریں گے۔ **۳۱۷** حق چھپانے کی وجہ سے جو رقمیں، نذریں اور ہدیے ان کو ملتے ہیں۔ یہ سب جہنم کی آگ ہیں اور یہ ظالم دنیا میں یہ چیزیں کھا کر جہنم کی آگ سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں جہنم کی آگ میں جلنے کا سبب اور موجب ہیں تو گویا یہی جہنم کی آگ ہیں۔ لانہ لما اکل ما یوجب النار فکانہ اکل النار (کبیر ص۱۳ ج ۲) **۳۱۸** ان سے کلام

نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قیامت کے دن خدا کی رحمت و شفقت سے محروم کردیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحمت کے ساتھ ان سے کلام نہیں کرے گا بلکہ حکم ہوگا اخسئوا (دفع ہو جاؤ) اور انہیں
نیاز میں کھانے اور دوسرے گناہوں کی میل اور گندگی سے پاک نہیں کرے گا۔ ای لا یطہرھم من دنس الذنوب (روح ص۴۴ ج ۲) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ۔ ان لوگوں نے توحق چھپا کر ہدایت کے عوض گمراہی
خریدلی۔ کتاب اللہ جس کے احکام سراسر حق و ہدایت تھے اور جس میں نذر و نیاز غیر اللہ کی حرمت موجود تھی اسے چھپایا اور ہدایت کی جگہ گمراہی پھیلائی محض دنیا کی حقیر دولت اور گدیوں کی حفاظت کی خاطر بسبب کتما نھم
الحق للمطامع الدنیة والاغراض الدنیویة (روح ص۴۴ ج ۲)۔ اگر یہ لوگ نذر غیر اللہ کا مسئلہ جس کی حرمت ان کی کتاب میں بصراحت مذکور ہے اور اسی طرح دیگر مسائل کو بیان کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے تو ان کے لئے
مغفرت تھی لیکن انہوں نے یہ مسئلہ چھپایا اور عملاً اس کی خلاف ورزی کی اس وجہ سے ان کے لئے عذاب ہے انہوں نے دنیا میں تو ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کی اور آخرت کی زندگی کے لئے جو سب سے بڑی

النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ
دوزخ پر ۳۱۹ف یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی ۳۲۰ف اور
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع لَيْسَ
جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں دور جا پڑے ۳۲۱ف ف١ نیکی کچھ یہی
الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف ۳۲۲ف ف٢ لیکن
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ
بڑی نیکی ف٣ تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور
الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر ۳۲۳ف اور دے مال اس کی محبت پر ۳۲۴ف رشتہ داروں کو
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ
اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور
فِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ
گردنیں چھڑانے میں ۳۲۵ف ف٣ اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنیوالے
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
اپنے اقرار کو جب عہد کریں ۳۲۶ف اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
اور لڑائی کے وقت ۳۲۷ف یہی لوگ ہیں سچے ۳۲۸ف اور یہی ہیں
الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
پرہیزگار اے ایمان والو فرض ہوا تم پر
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
(قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں ۳۲۹ف ف٤ آزاد کے بدلے آزاد ف٥ اور غلام کے بدلے غلام ف٦

ع ۲۱ ۹ ۵

ف١ یعنی یہ دنیا میں گمراہی اور آخرت میں عذاب اس لئے ہے کہ محض عناد کی وجہ سے کتاب اللہ کے حکم کو چھوڑ بیٹھے ۱۲
ف٢ بحث کے خاتمہ پر تحویل قبلہ کے مسئلہ کی مزید تنویر ۱۲
ف٣ اسم لیس ہے اور الصابرین منصوب علی المدح ہے جماعت حق کی وجہ سے آنے والی تکلیفوں پر صبر کرنے والوں کی امتیازی شان ظاہر کرنے کے لئے الصّٰبرین میں عنوان تعبیر رفع سے نصب کی طرف تبدیل کیا گیا ۱۲
ف٤ سورت کے دوسرے حصے کی ابتداء ۱۲
ف٥ پہلا انتظامی حکم قصاص لیا کرو تاکہ ملک قتل و خونریزی سے محفوظ ہو جائے ۱۲

نعمت ہدایت یافتہ ہونے کی صورت میں ان کے لئے مقدر تھی اسے گمراہی اختیار کر کے عذاب دائمی سے تبدیل کرلیا۔ ۳۱۹ف یہ فعل التعجب ہے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کے لئے وہ بہت دلیر ہیں جبھی تو وہ بے کھٹکے کتمان حق کئے جا رہے ہیں۔ اور خدا کے عذاب کی ذرا پرواہ نہیں کرتے ما اشجعھم علی النار اذ یعملون عملاً یؤدی الیھا (قرطبی ص۲۳۶ ج ۲) ۳۲۰ف ذٰلِكَ سے مذکورہ عذاب کی طرف اشارہ ہے اور باء۔ لیستیقنوا محذوف کے متعلق ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (حج ع ۱) ای لتستیقنوا بان اللہ الخ اور ایک جگہ فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ ورسوله (انفال ع ۲) اور الْكِتٰبَ سے جنس کتاب مراد ہے۔ الکتٰب جنس ہے۔ الحق سے مراد سچائی یا دلیل اور حجت ہے۔ بالحق ای بالصدق وقیل بالحجۃ (قرطبی ص۲۳۶ ج ۲) اور بالحق میں باء بمعنی لام ہے اور اس کے بعد مضاف محذوف ہے ای لاظھار الحق وما لکم یعنی یہ عذاب اس لئے دیا جائے گا تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ نے ان پر اظہار حق کے لئے کتاب نازل فرمائی جس میں نیاز ات غیر اللہ کی حرمت کا بیان تھا مگر وہ باز نہ آئے کیونکہ وہ محض ضدی اور معاند تھے۔ ۳۲۱ف اب جن لوگوں نے ہماری کتابوں میں اختلاف پیدا کیا ہے اور ان کے تمام احکام کو قبول کرنے میں تامل کیا ہے ان لوگوں کے پاس نہ کوئی صحیح دلیل ہے اور نہ کوئی معقول عذر۔ انہوں نے محض شدید مخالفت کی بنا پر ایسا کیا ہے اور یہ مخالفت قبول حق سے بہت دور ہے اور ضد و عناد کی حد تک پہنچی ہوئی ہے تو جو لوگ محض ضد و عناد کی وجہ سے حق کو چھپائیں اور گمراہی کی راہ اختیار کریں۔ ان کی یہی سزا ہے۔ چنانچہ یہودی علماء اور ان کے پیر خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ نذر غیر اللہ کی حرمت ان کی تورات میں موجود ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کو چھپاتے ہیں وہ محض ضد اور عناد کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس عذاب شدید کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی حال بعض موجودہ پیروں اور گدی نشینوں کا ہے جو محض ضد و عناد کی وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں۔ یہاں فرمایا کہ جنہوں نے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے محض ضد و عناد کی وجہ سے اختلاف کیا ہے اور دوسری جگہ فرمایا کہ اختلاف صرف بڑے بڑے عالموں اور پیروں نے کیا ہے وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ (بقرہ ع ۲۶) اور ایک اور جگہ فرمایا کہ ان علماء اہل کتاب نے اختلاف جان بوجھ کر کیا وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ (آل عمران ع ۲) ۳۲۲ف لفظ بِرّ عام ہے اور نیکی کی تمام انواع کو شامل ہے۔ البر جامع لانواع الخیر والطاعات المقربۃ الی اللہ تعالیٰ والخطاب لاھل الکتابین (روح ص۴۴ ج ۲) اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو خطاب ہے۔ بحث رسالت کے اختتام

موضح قرآن ف یہود نے اپنی کتاب میں سے نبی آخر زمان کی صفت چھپا ڈالی اور بہت آیتوں کے معنی بدل ڈالے غرض دنیا کے واسطے ۱۲

فتح الرحمٰن ف١ یعنی توجہ بجہت مشرق و مغرب چنانکہ یہود و نصاریٰ زعم میکنند نیکوکاری نیست بلکہ منسوخ شدہ است ۱۲ ف٢ یعنی صاحب آن نیکوکاری کہ ملتہائے والی اختلاف ندارند آنست ۱۲ ف٣ یعنی در آزادی بندگان یا خلاصی مکاتب ۱۲ ف٤ یعنی اعتبار مماثلت در کشتگان ۱۲ ف٥ یعنی مثل اوست در حکم ۱۲ ف٦ یعنی مثل اوست در حکم ۱۲

پر تحویل قبلہ کے متعلق دوبارہ اہل کتاب کے خیال کی تردید فرمادی ہے۔ تحویل قبلہ کے معاملہ کو اہل کتاب بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کرتے تھے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاکیداً ان کا دوبارہ رد فرمایا ہے۔ یہودی مغرب کی طرف بیت المقدس کو صحیح قبلہ سمجھتے تھے اور عیسائی جانب مشرق کو کیونکہ حضرت مریم دردِ زہ کے وقت شہر سے مشرق کی جانب نکلی تھیں اور دونوں گروہوں کا عقیدہ تھا کہ ان کا قبلہ صحیح ہے باقی تمام قبلے غلط ہیں۔ اور اصل نیکی یہ نہیں ہے بلکہ اصل نیکی تو خالص ایمان اور عمل صالح یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا اور ان کی تعمیل ہے وہ جس سمت منہ کرنے کا حکم دیدے بس وہی اصل قبلہ ہے نیز اس میں ان مشرک اقوام کی بھی تردید ہے جو ان سمتوں کو خیر و شر اور موت و حیات کا منبع و مصدر سمجھ کر مقدس جانتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ف۳۳۳ البرّ چونکہ معنی ہے اور مَنْ اٰمَنَ ذات ہے جو اس پر محمول نہیں ہوسکتی اس لئے یہاں یا تو البر سے پہلے ذا محذوف ہے یا مَنْ اٰمَنَ سے پہلے بِرّ مضاف محذوف ہے یعنی ولکن ذا البر من اٰمن یا ولکن البر برُّ مَنْ اٰمَنَ یہود و نصاریٰ کے باطل خیال کی تردید کے بعد اصل نیکی کا بیان فرمایا کہ اصل نیکی تو ایمان اور عمل صالح ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ایمان کا ذکر ہے یعنی اللہ پر قیامت پر فرشتوں پر خدا کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر۔ لیکن ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو خالص ہو اور شرک سے پاک ہو یہود و نصاریٰ کے ایمان کی

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ

اور عورت کے بدلے عورت ف پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو لازم ہے پیروی کرنا

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ

موافق دستور کے ف اور ادا کرنا چاہیئے اس کو خوبی کے ساتھ ف یہ آسانی ہوئی تمہارے

رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب

اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

دردناک ف اور تمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

تاکہ تم بچتے رہو ف فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں

الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَۨا ښ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ

موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال ف وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور

الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْۢ

رشتہ داروں کے واسطے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر ف پھر جو کوئی

بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَي الَّذِيْنَ

بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے کہ سن چکا تو اس کا گناہ انہی پر ہے جنہوں نے

يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ

اس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ف پھر جو کوئی خوف کرے

مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ

وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے ف تو اس پر کچھ گناہ

عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ع ۲۲ ۶

نہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ف اے ایمان والو

۱؎ بالباطل سے مال حرام کھانے سے منع فرمایا درمیان میں روزہ کا ذکر کیا کیونکہ وہ اکل حرام سے مانع ہے ۱۲

موضح قرآن ف صاحب کے بدلے صاحب اور غلام کے بدلے غلام اسی طرح عورت یعنی ہر صاحب دوسرے صاحب کے برابر ہر غلام دوسرے غلام کے برابر ہے۔ اشراف اور کم ذات کا فرق دولت مند اور فقیر کا فرق نہیں جیسے کفر میں معمول ہو رہا تھا جسکو معاف ہوا یعنی مقتول کے وارث اگر قصاص موقوف کر کے مال پر راضی ہوں تو قاتل کو چاہیئے کہ ان کو راضی کرے اور منت اٹھا کر خون بہا پہنچاوے یہ آسانی ہوئی یعنی اگلی امت پر قصاص ہی مقرر تھا اس امت پر معاف کرنا اور مال پر صلح کرنا بھی ٹھہرا۔ پھر جو کوئی زیادتی کرے یعنی صلح کر کے مبلغ خوں بہا لے کر پھر مارنے کا قصد کرے۔ ف یعنی حاکموں کو چاہیئے کہ قصاص دلانے میں قصور نہ کریں تا آئندہ خون کرنا بند ہو۔ ف کفر کی رسم میں مردے کا وارث اولاد کے سوا کوئی نہ تھا اور اولاد میں بھی فقط بیٹا سو اول اللہ صاحب نے وارث اولاد ہی رکھی ہے مردے کو ضرور ہوا کہ ماں باپ کو اور ناتے والوں کو موافق ان کی حاجت کے روبرو دلوا جاوے۔ ف یعنی اگر مردہ کہہ مرا تھا اور دینے والوں نے نہ دیا مردہ بے گناہ ہے وہی ہیں گنہگار ف یعنی کسی نے دیکھا کہ مردہ بے انصافی سے دلوا گیا اولاد کو بہت تھوڑا بچا تو اوروں کو سمجھا کر صلح کروا دے ویسا بدلنا گناہ نہیں۔ اول اللہ صاحب نے یہ حکم فرمایا تھا بعد اس کے سورۂ نساء میں وارثوں کے حصے آپ ہی ٹھہرا دیئے اب مردے کا دلوانا موقوف ہوا۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی چیزے از خون مسلمان مقتول ۱۲ ف۲ یعنی ولی دم معاملہ مطالبہ کنند نہ بدرشتی ۱۲ ف۳ یعنی قاتل بخوشخوئی ادا نماید نہ بصعوبت ۱۲ ف۴ مترجم گوید اہل جاہلیت شریف در مقابلہ وضیع نمی کشتند در مقابلہ شریف چندکس از وضیع می کشتند۔ خدائے تعالیٰ نازل فرمود کہ حکم الٰہی باعتبار مماثلت است در اجناس کشتگان کہ بایں معنی کہ احرار را حکم جدا است کہ ہر حر مثل حر دیگر است و در آں حکم و عبید را حکم جدا است کہ ہر عبد مثل عبد دیگر است در آں حکم و زناں را حکم جدا است و ہر زن مثل زن دیگر است ذر آں حکم و امتیاز حکم زناں در باب دیات است نہ در باب قود پس ہر فردے از یں جناس مساوی است با فرد دیگر ہر چند بعضے شریف باشد و بعضے وضیع بعضے جمیل و بعضے ذمیم و بعضے مالدار و بعضے فقیر و سنت زیادہ کردہ است دو جنس دیگر کہ مسلمان در مقابلہ مسلمان است و کافر در مقابلہ کافر پس اگر بعضے ورثہ عفو کنند از کشتن کشتہ خون بہا قبول نمایند و ولی دم را باید کہ بحسن معاملہ مطالبہ کنند نہ بدرشتی و قاتل را باید کہ بخوشخوئی ادا کند نہ بدخوئی واللہ اعلم ۱۲ ف۵ مترجم گوید حکم وصیت منسوخ است بآیت مواریث واللہ اعلم ۱۲ ف۶ مترجم گوید مضمون ایں آیت تخییر است در صوم و فدیہ و ایں معنی منسوخ شد بآیتی کہ متصل می آید۔ مترجم گوید شاید کہ معنی آیت چنیں باشد و واجب است بر آناں کہ می توانند دادن فدیہ را ادن فدیہ کہ عبارت از طعام یک درویش است مراد صدقۃ الفطر است و سنت آں را مقدم کردہ بیک صاع جو یا نیم صاع از گندم پس آیت محکم باشد نہ منسوخ و شاید کہ معنی آیت چنیں باشد واجب است بر آنا کہ می توانند قضا کردن یعنی و قضا نہ کردند تا آنکہ رمضان دیگر در آمد واللہ اعلم ۱۲

طرح نہ ہو جو خدا پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت عزیر اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کو خدا کے شریک سمجھتے تھے اور انہیں پکارتے تھے والمراد بھذا الایمان ایمان خالٍ عن شائبۃ الاشراک لا کایمان الیھود و النصاریٰ القائلین عزیر ابن اللہ والمسیح ابن اللہ (روح ص۴۵ ج ۲) اسی طرح فرشتوں، پیغمبروں اور کتابوں پر بھی بلا تفریق ایمان لائے۔ ایسا نہ ہو کہ بعض فرشتوں اور پیغمبروں کو مانے اور بعض سے عداوت رکھے اسی طرح بعض کتابوں کو مانے اور بعض کو نہ مانے۔ ایسا ایمان قابل قبول نہیں **۳۲۴** اب یہاں سے اعمال صالحہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق مال خرچ کرنے سے ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق انسان کے بدن سے ہے۔ حُبِّہٖ کی ضمیر المال کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی محبت کے باوجود وہ اسے خرچ کرے۔ ذوی القربٰی۔ یہ اٰتی کا مفعول ہے اور رشتہ دار سے مراد غریب اور محتاج رشتہ دار ہیں والیتامیٰ یتیم کی جمع ہے اور یتیم ہر اس نابالغ کو کہتے ہیں جس کا باپ مر چکا ہو جب یتیم کا اپنا کوئی مال نہ ہو۔ تو اس کی پرورش بھی اسکے قریبی رشتہ داروں پر لازم ہے۔ وَالْمَسٰکِیْنَ مسکین کی جمع ہے یعنی حاجت مند اور محتاج وابن السبیل یعنی مسافر جب سفر میں بے خرچ ہو جائے اگرچہ اس کے گھر میں مال موجود ہو وَالسَّآئِلِیْنَ اس سے مراد بھی حاجت مند لوگ ہی ہیں تو مساکین اور سائلین میں یہ فرق ہے کہ مساکین وہ ہیں جو کسی سے نہ مانگیں اور سائلین وہ ہیں جو مانگ لیں۔ اھل الحاجۃ ثم ھم ضربان منھم من یکف عن السؤال وھو المراد ھٰھنا ومنھم من یسأل ویتبسط وھو المراد بقولہ والسائلین (کبیر ص۲۶ ج ۲) **۳۲۵** رَقَبَۃ کی جمع ہے اور رقبہ سے مجازاً شخص مراد ہے۔ الرقبۃ مجاز عن الشخص (روح ص۴۷ ج ۲) رقاب میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں چھڑایا جائے۔ ای فی تخلیص الرقاب وفکاکہا (روح ص۴۷ ج ۲) یہاں فک رقاب سے بعض مفسرین نے غلاموں کو آزاد کرانا اور بعض نے قیدیوں کو چھڑانا مراد لیا ہے مگر عموم لفظ اس بات کا مقتضی ہے کہ اس سے یہ دونوں مراد ہوں اور ان کے علاوہ وہ مقروض جو موحد ہو اور مشرک نہ ہو اس کی امداد کرنا بھی اس میں شامل ہو۔ یہاں تک مالی صدقات کا ذکر تھا۔ اب آگے نماز کا ذکر ہے جو تمام عبادات بدنیہ میں سب سے اعلیٰ ہے۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ اقامت صلوٰۃ کا مفہوم وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے تحت گذر چکا ہے۔ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ پہلے نفلی صدقات کا ذکر تھا یہاں فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ کا ذکر فرمایا ہے۔ والمراد بالصلوٰۃ المفروضۃ کالزکوٰۃ فی واٰتی الزکوٰۃ بناءً علٰی ان المراد بما مر من ایتاء المال نوافل الصدقات (روح ص۴۷ ج ۲) **۳۲۶** عقائد و اعمال کی تصحیح کے بعد اب حسن اخلاق کا ذکر کیا جا رہا ہے اور عہد سے یہاں کوئی خاص عہد مراد نہیں بلکہ اس سے ہر وہ عہد مراد ہے جو کسی انسان نے کسی دوسرے انسان سے کیا ہو یا اللہ تعالیٰ سے کیا ہو۔ ای فیما بینھم وبین اللہ تعالیٰ وفیما بینھم وبین الناس (قرطبی ص۲۴۲ ج ۲) والظاہر حمل العہد علٰی ما یشمل حقوق الحق وحقوق الخلق (روح ص۴۷ ج ۲) انسانوں سے کئے گئے صرف ان وعدوں کا پورا کرنا جائز اور لازم ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ خلاف شریعت کام کے متعلق وعدہ پورا کرنا جائز نہیں۔ خدا سے کئے ہوئے عہد میں خدا کے نام کی نذر اور خدا کے نام کی قسم بھی شامل ہیں۔ اگر خدا کے لئے نذر مانی ہے تو اسے پورا کرنا واجب ہے البتہ غیر اللہ کی نذر و منت ناجائز اور شرک ہے اور کوئی جہالت سے مان بیٹھے تو اس سے توبہ کرے اور اس کو پورا نہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی نے خدا کے نام کی قسم کھائی ہے اگر وہ ناجائز کام پر نہیں تو اسے ضرور پورا کرے اگر ناجائز کام پر ہے تو قسم توڑ دے۔ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی درست نہیں۔ **۳۲۷** الصّٰبِرِیْنَ منصوب علی المدح اور اس کا عامل محذوف ہے یعنی امدح۔ الصابرین کو ماقبل سے اس لئے جدا کیا گیا ہے تاکہ صابرین کی مزید فضیلت ثابت ہو جائے البَاْسَآءِ والضَّرَّآءِ دونوں کے معنی شدت اور تکلیف کے ہیں لیکن باساء کا تعلق مال سے ہے یعنی فقر و فاقہ وغیرہ اور ضراء کا تعلق بدن سے ہے جیسے بیماری البأساء فی الاموال کالفقر والضراء فی الانفس کالمرض (بیضاوی ص۲۶) اور الباس سے مراد جنگ و جہاد ہے ای وقت القتال وجہاد العدو (روح ص۴۸ ج ۲) مطلب یہ کہ صرف آرام سے نماز پڑھنے ہی سے کام نہیں چلے گا بلکہ جہاد بھی کرنا پڑے گا۔ اور مال و جان میں تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی اس آیت میں جہاد کی ترغیب ہے۔ **۳۲۸** اُولٰٓئِکَ سے مذکورہ بالا صفات سے متصف لوگ مراد ہیں یعنی نیکی کے سچے طالب تو وہ لوگ ہیں جن میں ایمان و عمل (یعنی اللہ کے احکام کو دل و جان سے ماننے) اور حسن اخلاق کی مذکورہ بالا تمام خوبیاں موجود ہوں نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کو ہی نیکی سمجھ رکھا ہے اور اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ یہ آیت تمام اعمال خیر کی جامع ہے۔ اس میں تمام بنیادی عقائد اور ضروری اعمال آگئے ہیں اس لحاظ سے یہ آیت اصول دین میں سے ایک بہت بڑی اصل ہے۔

حصّہ دوم

(۱) جہاد فی سبیل اللہ (۲) انفاق فی سبیل اللہ

تمہید یہاں تک سورۂ بقرہ کا پہلا حصہ جس میں توحید و رسالت کا بیان تھا، ختم ہوگیا۔ اب آگے دوسرا حصہ شروع ہو رہا ہے۔ اس حصہ میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے ایک جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں اللہ کی توحید اور اس کے دین کی خاطر لڑنا اور دوسرا انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے دین کی خاطر اپنی دولت خرچ کرنا۔

اصل مسائل شروع کرنے سے پہلے امور انتظامیہ بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ باہمی نظم و ضبط اور محبت و انس کے بغیر اجتماعی قوت کے ساتھ جہاد ناممکن ہے اور امور انتظامیہ کی پابندی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف اور اس کا باطن درست اور اس کی نیت نیک ہو اس لئے امور انتظامیہ کے ساتھ اور ان کے درمیان چند امور مصلحہ کا ذکر فرما دیا۔ مثلاً نماز، روزہ، حج۔ اس کے بعد جہاد کا ذکر ہے اور جہاد کے حکم کے ساتھ ساتھ امور مصلحہ بھی ذکر ہو رہے ہیں۔ تاکہ روزہ سے باطن کی صفائی حاصل ہو جائے اور حج کے موقع پر بیت اللہ میں حاضر ہو کر اللہ سے فتح کے لئے دعا کرو کیونکہ وہاں دعا قبول ہوتی ہے اور نماز سے باہمی محبت پیدا ہوگی۔ **۳۲۹** امور انتظامیہ میں سے یہ پہلا امر انتظامی ہے۔ یہودیوں کے مذہب میں قتل کی سزا صرف قتل ہی تھی۔ معافی کی صورت کوئی نہیں تھی۔ عیسائیوں کے یہاں بس ایک ہی عفو و درگذر کا قانون تھا۔ قصاص نہیں تھا۔ عرب میں قصاص اور عفو دونوں چیزیں موجود تھیں لیکن ان میں بہت افراط و تفریط سے کام لیا جاتا تھا۔ اگر قاتل کوئی معمولی آدمی ہوتا اور مقتول بڑا خاندانی تو اس کے عوض قاتل کے قبیلہ سے کئی آدمی قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اس طرح بڑے لوگ اپنے زخموں کے عوض بھی دگنی تگنی دیتیں وصول کرتے تو اللہ تعالیٰ نے قصاص اور دیت کے احکام نازل فرما کر ان تمام بے اعتدالیوں کی اصلاح فرما دی۔ قصاص کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو (کبیر ص۵۱ ج ۲، روح ص۴۹ ج ۲) یہاں مراد یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے اور قصاص صرف حکومت ہی لے سکتی ہے عوام کو اختیار نہیں ہے کہ وہ خود اپنے مقتولین کا قصاص لینے پھریں کیونکہ اس سے بہت بڑی بے اعتدالیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ عداوتیں بڑھ جائیں گی اور زمین میں دنگا فساد برپا ہو جائے گا۔ اتفق ائمۃ الفتوٰی علی انہ لا یجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون السلطان ولیس للناس ان یقتص بعضھم من بعض (قرطبی ص۲۵۶ ج ۲) **۳۳۰** حنفیہ کے نزدیک اگر کسی آزاد نے غلام کو یا کسی مرد نے عورت کو قتل کر دیا تو غلام کے بدلے آزاد اور عورت کے بدلے مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، قتادہ اور حکم بن عتیبہ کا بھی یہی مسلک ہے (قرطبی ص۲۴۶ ج ۲) امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ عورت کے بدلے مرد سے قصاص لیا جائے گا۔ اس آیت

میں چونکہ آزاد کا آزاد سے اور غلام کا غلام سے اور عورت کا عورت سے تقابل کیا گیا ہے اس لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کو آزاد کے بدلے، غلام کو غلام کے بدلے اور عورت کو عورت کے بدلے تو قتل کیا جائے گا لیکن آزاد کو غلام کے بدلے اور مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس تقابل کا مفہوم مخالف یہی ہے۔ اس طرح یہ آیت فریقین کے خلاف جاتی ہے۔ امام شافعیؒ نے تو اس کا جواب یہ دیا کہ اس آیت کا ایک حصہ یعنی الانثیٰ بالانثیٰ حدیث سے منسوخ ہے حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آزاد کے بدلے غلام قتل نہ کرنے کا حکم آیت کے مفہوم مخالف سے لیا گیا ہے حالانکہ مفہوم مخالف احکام شرعیہ میں حجت نہیں ہے۔ قالہ صاحب المدارک۔ **فائدہ**:- حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مفہوم مخالف اثبات احکام از قسم حلال و حرام کے لئے تو معتبر نہیں البتہ تقدیم و تاخیر یا حصر وغیرہ کا نکتہ بیان کرنے کے لئے اسے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ الحر بالحر میں حصر مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد صرف قصاص میں مساوات بیان کرنا ہے یعنی جاہلیت کے زمانہ میں قصاص کے بارے میں جو زیادتیاں کی جاتی تھیں ان کی روک تھام مقصود ہے۔ قالہ الامام ولی اللہ الدہلوی رح تیسرا جواب یہ ہے کہ قصاص کے معنوں میں عموم ہے کہ یہ لفظ قتل اور جراحت دونوں پر بولا جاتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کسی آدمی کے ساتھ وہی کچھ کرنا جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو۔ اما القصاص فھو ان یفعل بالانسان مثل ما فعل (کبیر ص۱۵۱ ج ۲) نیز صراح میں قصاص کے یہ معنی لکھے ہیں "کشندہ را باز کشتن و جراحت کردن عوض جراحت"، تو آیت میں قصاص بالنفس اور قصاص بالاطراف دونوں کا ذکر ہے چنانچہ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَىٰ میں قصاص بالنفس کا حکم ہے۔ اور الحر بالحر میں قصاص فی الاطراف کا حکم ہے۔ اب اگر مفہوم مخالف بھی مراد لے لیا جائے تب بھی یہ آیت حنفیہ کے خلاف نہیں جاتی کیونکہ قصاص فی الاطراف میں آزاد کے اعضاء کو غلام کے بدلے اور مرد کے اعضاء کو عورت کے بدلے قطع نہیں کیا جاتا۔ قالہ الشیخ روح اللہ تعالیٰ روحہ یہ تو قصاص کا حکم تھا یعنی قصاص نفس اور قصاص اطراف۔ اب آگے فَمَنْ عُفِيَ لَهُ سے دیت اور خوں بہا کا بیان ہے (دیت نفس اور دیت اطراف) **۳۳۱** من سے مراد قاتل ہے اور لہٗ کی ضمیر اسی کی طرف راجع ہے۔ اور مِنْ اَخِیْهِ میں ضمیر مجرور مَنْ کی طرف راجع ہے اور اَخِیْهِ سے مراد مقتول ہے اور مقتول کی طرف سے معافی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ورثاء معاف کر دیں۔ مقتول کو قاتل کا بھائی کہہ کر اس لئے ذکر کیا کہ قاتل کے دل میں شفقت اور ندامت کے جذبات پیدا ہوں کہ جسے اس نے قتل کیا ہے وہ کوئی غیر نہیں تھا بلکہ دین اور بشریت میں اس کا بھائی تھا۔ سماہ اخا استعطافا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح ص۵۰ ج ۲) **۳۳۲** شئٌ کی تنوین تنکیر کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کی طرف سے سب کچھ نہ سہی کچھ ہی معافی دیدی جائے مثلاً قصاص معاف کر دیا جائے اور دیت لے لی جائے۔ **۳۳۳** صلح ہو جانے کی صورت میں قاتل اور مقتول کے ورثاء دونوں کو حسن سلوک کی تلقین فرمائی یعنی مقتول کے ورثاء بھی معقول طریقے سے خوں بہا کا مطالبہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ فریق ثانی کو تنگ کرنے کے لئے خوں بہا کے مطالبہ میں سختی کریں اور نہ زیادہ کا مطالبہ کریں اسی طرح قاتل کو بھی چاہئیے کہ وہ مقررہ رقم معاہدے کے مطابق ادا کرے اور ٹال مٹول نہ کرے۔ ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ ـــ ذٰلِكَ کا اشارہ حکم مذکور کی طرف ہے یعنی عفو اور دیت کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے کہ اس نے معافی اور خوں بہا کی سہولتیں پیدا کر دی ہیں کیونکہ عفو کی صورت میں قاتل کو سہولت ہے اور دیت کی صورت میں مقتول کے ورثاء کا فائدہ ہے۔ لما فی مشروعیۃ العفو تسہیل علی القاتل وفی شرعیۃ الدیۃ نفع لاولیاء المقتول (روح ص۵۱ ج ۲) فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ الخ یہ ان لوگوں کے لئے تخویف اخروی ہے جو حدود اللہ کے وضع ہو جانے کے بعد ان سے تجاوز کریں۔ مثلاً قاتل کے بجائے کسی بے گناہ کو قتل کر دیں یا معافی اور خوں بہا وصول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کر دیں یا بے گناہ پر قتل کا الزام لگا کر اس پر جھوٹا دعویٰ دائر کر دیں **۳۳۴** قصاص اگرچہ بظاہر بہت دشوار اور برا معلوم ہوتا ہے مگر عقلمند اور صاحب ہوش لوگ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ قصاص تو زندگی کا باعث ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے قاتل قتل سے رک جائے گا اور اس طرح قاتل اور مقتول کی جان بچ جائے گی۔ اسی طرح قتل سے قاتل اور مقتول کے قبیلوں میں عداوت اور انتقام کی جس آگ کے بھڑکنے کا اندیشہ ہے وہ بھی نہیں بھڑکے گی۔ اور اس طرح دونوں خاندان قتل و خونریزی سے بچ کر آرام اور چین کی زندگی بسر کریں گے۔ اس لئے ارشاد فرمایا۔ اے دانشورو! قصاص بری چیز نہیں بلکہ یہ تو تمہاری جانوں کی حفاظت کی ضمانت اور تمہاری زندگی کا بیمہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ قصاص سے ایک طرف تو تم دنیا میں قتل اور خون خرابہ سے بچ جاؤ گے اور دوسری طرف آخرت میں قتل اور فساد فی الارض کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

۳۳۵ كُتِبَ عَلَيْكُمْ الخ خیر سے مراد یہاں مال ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ (بقرہ ع ۳۷) اور معروف سے مراد عدل اور انصاف ہے یعنی وصیت کرنے میں باقی ورثاء کا بھی خیال رکھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ متقین سے مراد مومنین ہیں اور متقین کی تعبیر سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ حکم وصیت اور اسی طرح دیگر احکام الٰہی کی رعایت متقیوں اور پرہیزگاروں کا شیوہ ہے۔ وضع المظہر موضع المضمر للدلالۃ علی ان المحافظۃ علی الوصیۃ والقیام بھا من شعائر المتقین الخائفین من اللہ (روح ص۵۵ ج ۲) فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ الخ بدّلہ اور سمعہ کی منصوب ضمیریں ایصاء کی طرف راجع ہیں جو ما قبل سے مفہوم ہے۔ اِثْمُهٗ کی ضمیر تبدیل کی طرف راجع ہے جو بَدَّلَهُ میں مذکور ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص میت کا وصی ہے یا وصیت کا شاہد ہے اگر یہ لوگ بعد میں میت کی وصیت میں رد و بدل کر دیں یا سرے سے وصیت کا انکار ہی کر دیں تو اس تبدیل و تغییر کا گناہ ان تبدیل کرنے والوں پر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والوں اور وصیت میں رد و بدل کرنے والوں کے اقوال و افعال کو سنتا اور جانتا ہے۔ اور وہ ان کے مطابق ہر ایک کو جزا دیگا۔ **۳۳۶** جنف کے معنی حق سے ناحق کی طرف میلان کے ہیں۔ یہاں اس سے بلا قصد غلطی سے میلان عن الصواب مراد ہے اور اثماً سے قصداً میلان عن الصواب مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے آدمی کو ڈر ہو کہ وصیت کرنے والا غلطی سے یا عمداً وصیت میں شرعی ضابطہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے یا دوسرے ورثاء کی حق تلفی کر رہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ وصیت کرنے والے کی رہنمائی کرے اور اسے حق اور انصاف کی راہ بتائے۔ یہ شخص گنہگار نہیں ہوگا بلکہ اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ وہ گنہگاروں کو بھی معاف کر دیتا ہے جو نیک نیتی سے اصلاح کرنے والے ہیں۔ ان کو اپنی رحمت سے کیوں نہیں نوازے گا۔ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا مگر آیت میراث سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اب والدین کے لئے اور اسی طرح دوسرے ورثاء کے لئے وصیت جائز نہیں۔ ثم ان ھٰذا الحکم کان فی بدء الاسلام ثم نسخ بآیۃ المیراث (روح ص۵۳ ج ۲) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن پانچ آیتوں کو منسوخ مانا ہے ان میں سے ایک یہ ہے لیکن بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں چنانچہ صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرک ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں نازل ہوئی تھی اور حکم استحبابی ہے وجوب کے لئے نہیں ہے وقیل غیر منسوخۃ لانھا نزلت فی حق من لیس بوارث بسبب الکفر . . . . فشرعت الوصیۃ فیما بینھم قضاءً لحق القرابۃ ندباً (مدارک ص۷۳ ج ۱) اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس کی توجیہ اس طرح فرماتے ہیں کہ یہاں وصیت والدین اور اقربین کے لئے نہیں بلکہ والدین اور اقربین کو ہے اور المعروف سے مراد حکم شرعی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کو اس بات کی وصیت کرے کہ وہ اس کا ترکہ حکم شرعی کے مطابق تقسیم کریں **۳۳۷** یہاں سے امور مصلحہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے روزہ کا حکم فرمایا۔ اس سے پہلے وصیت میں گڑبڑ کر کے کسی کا حق مارنے سے منع فرمایا اور آگے چل کر وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ سے دوبارہ مال حرام کھانے سے ممانعت فرمائی۔ ان دونوں انتظامی امور کے درمیان ایک امر مصلح یعنی روزہ کا ذکر فرمایا کیونکہ روزہ مال حرام سے اجتناب میں مدد و معاون ہے بایں طور کہ روزہ سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی محبت اور نیکی کی رغبت بڑھتی ہے۔ باطن پاک صاف ہو جاتا ہے اور دل گناہوں سے پاک اور مال حرام سے متنفر ہو جاتا

ہے۔ چنانچہ اسی نکتہ کیلئے احکام روزہ کے درمیان فرمایا وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ الخ کیونکہ ایک روزہ سے انسان ستر سال کی مسافت سے بھی زیادہ خداوند تعالیٰ سے نزدیک ہوجاتا ہے

۳۳۸ یعنی روزے صرف تم پر ہی فرض نہیں کئے گئے بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھے اور یہ تشبیہ تمام اوصاف میں نہیں ہے بلکہ نفس وجوب میں ہے۔ روزہ ہر پیغمبر کی شریعت میں فرض رہا ہے۔ البتہ روزوں کی تعداد اور وقت میں فرق تھا۔ علی الانبیاء والامم من لدن اٰدم علیہ السلام الی عہدکم فہو عبادۃ قدیمۃ (مدارک ص ۷۵ ج ۱) لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ یہاں روزہ کی غرض وغایت بیان فرمائی ہے کہ روزہ بظاہر فاقہ اور تکلیف معلوم ہوتا ہے مگر اس میں تمہارے لئے روحانی فوائد ہیں اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ تم روزے رکھنے سے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ گے کیونکہ روزہ رکھنے سے قوت شہوانیہ ضعیف ہوجائے گی اور نفس کی خواہش مرغوبات نفسانیہ کی طرف کم ہوجائے گی جس کا نتیجہ گناہوں سے بچنے اور نیکی کے کاموں میں رغبت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہی تقویٰ ہے اس

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

فرض کیا گیا تم پر روزہ ۳۳۷ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر ۳۳۸

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ

تاکہ تم پرہیزگار ہوجاؤ چند روز ہیں گنتی کے پھر جو کوئی

مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ

اور ۳۳۹ جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا ۳۴۰ پھر جو کوئی

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اسکے واسطے اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ

اگر تم سمجھ رکھتے ہو ف۲ ف۱ مہینہ ۳۴۱ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا

فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ

قرآن ۳۴۲ ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور

الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ

حق کو باطل سے جدا کرنے کی ف۴ ف۳ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اسکے اور جو

كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا

اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اسواسطے کہ تم پوری

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو ۳۴۳

۱ یعنی نفس وجوب میں تشبیہ ہے نہ اوصاف میں ۱۲ ۲ مفعول فیہ ہے الصیام ۱۲ ۳ ای فعلیکم العدۃ ۱۲ ۴ جو لوگ بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے میں سخت مشقت اٹھاتے ہیں (شیخ فانی)

۵ اعادہ برائے ترغیب

۶ معطوف علیہ محذوف ہے ای لیسہل الامر علیکم ولتکملوا العدۃ

روحانی تزکیہ کے علاوہ روزہ سے بدن کی اصلاح بھی ہوتی ہے اس لئے مادی اور روحانی دونوں قسم کے فوائد کا حامل ہے اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ یہ کُتِبَ کا مفعول فیہ ہے۔ نصب علی الظرف لکتب ای کتب علیکم الصیام فی ایام (قرطبی ص ۲۷۵ ج ۲) اور ایاما معدودٰت (گنتی کے چند دن) سے مراد ماہ رمضان ہے۔ اور یہ حوصلہ بڑھانے کے لئے فرمایا کہ روزے کوئی زیادہ نہیں ہیں بلکہ گنتی کے چند دن ہیں۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ الخ روزہ کی فرضیت کا حکم دینے کے بعد معذورین کے لئے رعایت کا اعلان فرمادیا کہ جو مسلمان بیمار ہو اور روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو یا کسی شخص کو رمضان میں لمبا سفر پیش آئے تو ان کو اجازت ہے کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور جتنے روزے ان سے چھوٹ جائیں رمضان کے بعد ان کی قضا دے کر ماہ رمضان کے روزوں کی تعداد پوری کرلیں۔ **۳۳۹** بعض مفسرین کا خیال ہے کہ شروع میں روزے علی التخییر فرض تھے یعنی ہر آدمی کو اختیار تھا کہ چاہے وہ روزے رکھے یا اگر طاقت ہو تو ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلادے۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا بعض کا خیال ہے یہاں لَا مقدر ہے اور اصل میں عبارت یوں ہے وعلی الذین لا یطیقونہ یا ہمزۂ افعال سلب ماخذ کیلئے ہے اور ضمیر منصوب سے مراد روزہ ہے اور اس میں شیخ فانی، حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورت کا حکم بیان کیا گیا ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں حضرت شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ یطیقونہ میں ضمیر منصوب فدیہ کی طرف راجع ہے جو بعد میں مذکور ہے لیکن رتبۃً مقدم ہے کیونکہ وہ مبتدا موخر ہے اور اس آیت سے مراد صدقۃ الفطر کا حکم ہے یعنی جو لوگ صدقۃ الفطر کی طاقت رکھتے ہیں ان پر صدقۃ الفطر واجب ہے (الفوز الکبیر) اور مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایام بیض کے روزوں کا ذکر ہے اور یہ حکم انہی سے متعلق ہے اور اب بھی یہ حکم باقی ہے۔ ایام بیض کے روزوں میں تخییر ہے چاہے روزے رکھے یا ہر روزہ کے عوض فدیہ دیدے۔ کیونکہ ابھی تک رمضان کی فرضیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ وھذا الحکم ایضا یتعلق بالایام البیض ولا تعلق لہ برمضان الخ (فیض الباری ج ۳ ص ۱۸۵) دوسری توجیہ یہ فرمائی کہ اطاق یطیق کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی چیز بڑی مشقت سے برداشت کی جائے مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ مشکل اور مشقت سے روزہ رکھ سکیں۔ وہ فدیہ

موضح قرآن ف۱ یعنی روزے سے سلیقہ آجاوے جی روکنے کا تو ہر جگہ روک سکو۔ ف۲ اول یہی حکم اترا کہ مریض و مسافر چاہیں تو پھر قضا کرلیں اور جن کو طاقت ہے یعنی بے عذر ہیں وہ چاہیں کہ قضا کریں تو بالفعل روزے کے بدلے ایک فقیر کو کھلادیں اور تو بھی بہتر ہے روزہ ہی پھر اس کے بعد جو آیت اتری اس میں فقط مریض و مسافر کو رخصت ملی قضا کی اور کسی کو نہیں ف۳ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ اسی سے ٹھہرا کہ اس میں اترا قرآن تبھی قرآن کی خدمت اس مہینے میں پہلے چاہیئے اسی سبب سے رسول خدا نے تقید کیا تراویح کا اور آپ چند روز جماعت کر کر پھر نہ کروائی کہ قرآن میں اشارات ہیں صریح فرض نہ ہو جاوے ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ فدیہ دادن کہ عبارت از یک طعام مسکین است بیک مُد و این حکم منقول است از قاسم و سعید بن جبیر و ہمیں است مذہب شافعی و در یں صورت نیز محکم است غیر منسوخ ۱۲ ف۲ یعنی در رمضان یکدفعہ از لوح محفوظ بآسمان دنیا فرود آمد و از انجا بدفعات بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرود آمد در چند سال ۱۲

دیدیں تو اس صورت میں اس سے مراد رمضان کے روزے ہوں گے۔ اور یہ آیت شیخ فانی کے حق میں ہوگی اور اس صورت میں لا کو مقدر کرنے یا ہمزہ کو سلب ماخذ کے لئے ماننے کی ضرورت نہ رہے گی یہ علامہ
سے منقول ہے۔ قال الزمخشری ما حاصلہ ان فعل الاطاقۃ بمادتہ لا یستعمل الا فیما یتعذر او یتعسر الخ (فیض الباری ص۱۹۹ ج ۳) ۳۴۰ فدیہ کی معین مقدار تو بہرحال لازم ہے اگر کوئی
کوئی شخص اپنی خوشی سے اس کی مقدار میں اضافہ کرے یا ایک کی بجائے دو مسکین کو کھانا کھلا دے تو یہ اس کے لئے اور بہتر اور مزید اجر و ثواب کا موجب ہے ای زاد علی مسکین واحد فاطعم مکان کل یوم
مسکینین فاکثر وقیل من زاد علی القدر الواجب علیہ فاعطی صاعًا وعلیہ مد (معالم ص۱۳۲ ج ۱) وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اَنْ مصدریہ ہے اور ان تصوموا بتاویل مفرد مبتدا ہے اور خیر لکم
اس کی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سفر اور بیماری کی حالت میں اگرچہ رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اگر سفر میں زیادہ تکلیف کا احتمال نہ ہو اور بیماری بھی زیادہ شدید نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے وان تصوموا

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ
اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں ۳۴۴ قبول کرتا ہوں دعا مانگنے
الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ
والوں کی دعا کو ۳۴۵ جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہیئے کہ وہ حکم مانیں میرا ۳۴۶ اور یقین لائیں مجھ پر
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ
تاکہ نیک راہ پر آئیں ف حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں
الرَّفَثُ اِلٰى نِسَاۗىِٕكُمْ ۭ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ
بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے ۳۴۷ وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم
لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
پوشاک ہو ان کی ۳۴۸ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے
فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ
سو معاف کیا تم کو ۳۴۹ اور درگزر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور
ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ
طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے ۳۵۰ اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے
لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ
تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے فجر کی ۳۵۱
ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ
پھر پورا کرو روزہ کو رات تک ۳۵۲ اور نہ ملو عورتوں سے جب
اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا
تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں ۳۵۳ یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان
تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
کے قریب نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ

منزل ۱

۱ جو معرفت ۔ بعدہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے (سنے ان دنوں میں خدا کو زیادہ سے زیادہ پکارو ۱۲)

فی السفر والمرض غیر الشاق (قرطبی ص۲۹۰ ج ۲) اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اِنْ کا جواب محذوف ہے ای اخترتموہ یعنی اگر تمہیں معلوم ہو کہ روزہ رکھنے میں کیا فضیلت ہے تو تم سفر اور بیماری میں بھی روزہ رکھو۔ ۳۴۱ شہر مبتدا ہے اور الَّذِيْٓ الخ اس کی صفت اور فَمَنْ شَهِدَ الخ اس کی خبر ہے اور شَهْرُ رَمَضَانَ کی صفت چونکہ اسم موصول ہے اور اس وجہ سے وہ متضمن معنی شرط ہے اس لئے اس کی خبر پر فاء کا دخول صحیح ہے۔ شہر رمضان مبتدأ خبرہ الموصول بعدہ او فمن شہد و الفاء لتضمنہ معنی الشرط لکونہ موصوفًا بالموصول (روح ص۵۹ ج ۲) یہاں ماہِ رمضان کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جس مہینے کے روزوں کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ بہت ہی فضیلت والا مہینہ ہے۔ اس میں قرآن مجید اتارا گیا۔ رمضان میں قرآن مجید اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ کیونکہ سارا قرآن تو تقریبًا تئیس سال میں نازل ہوا تھا۔ ای ابتدی فیہ انزالہ وکان ذلک لیلۃ القدر (روح ص۶۱ ج ۲) ۳۴۲ ھدی اور بینات دونوں القرآن سے حال ہیں یعنی قرآن تمام دنیا جہان والوں کے لئے ہدایت کا ایک جامع پروگرام ہے اور پھر اس کے دلائل ایسے ٹھوس اور واضح ہیں جو ہدایت کی تمام راہوں کو روشن کرتے ہیں اور حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کرتے ہیں۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ بعض کے نزدیک پہلے روزے کی جگہ فدیہ دینا جائز تھا۔ ان کے نزدیک یہ آیت اس حکم کی ناسخ ہے۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ الخ مریض اور مسافر کا حکم اگرچہ پہلے بیان ہو چکا تھا لیکن فمن شہد کی صراحت سے اس حکم کے نسخ کا احتمال ہو سکتا تھا اس لئے اس حکم کا اعادہ فرما دیا وتکریرہ لئلا یتوھم نسخہ کما نسخ قرینہ (روح ص۶۳ ج ۲) يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی مہربانی اور وسعتِ رحمت ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے عذر کی حالت میں روزہ کی معافی دیدی اور ہمارے لئے آسانی پیدا کر دی۔ ۳۴۳ اس سے پہلے تین احکام بیان فرمائے ہیں یہاں تینوں کی الگ الگ علتیں

بیان فرمائی ہیں۔ پہلے ایک حکم تو یہ تھا کہ رمضان کے پورے روزے رکھو۔ سفر اور بیماری کی حالت میں جو روزے رہ جائیں۔ رمضان کے بعد ان کی قضا دو۔ دوسرا حکم چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کے طریقہ کے متعلق تھا اور تیسرا حکم بیماری اور سفر کی حالت میں رخصت کا تھا۔ اب یہاں ترتیب وار تینوں کی علتیں بیان فرمائی ہیں یعنی رمضان کے روزوں کی گنتی کا خیال رکھنے کا حکم اس لئے دیا تاکہ تمہاری گنتی پوری ہو جائے۔ اور کوئی روزہ کم نہ رہے۔ اور قضا کا طریقہ تمہیں بتایا تاکہ تم اللہ کے اس احسان پر اس کی عظمت اور برتری کا اقرار کرو۔ اور عذر کی حالت میں تمہیں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی تاکہ تم اس کے اس انعام کا شکریہ ادا کرو۔ فقولہ لتکملوا علۃ الامر بمراعاۃ العدۃ ولتکبروا علۃ ما علم عن کیفیۃ القضاء والخروج عن عھدۃ الفطرۃ ولعلکم تشکرون علۃ الترخیص (مدارک ص۷۶ ج ۱)

موضح قرآن ف اوپر کی آیت میں فرمایا کہ بڑائی کرو اللہ کی یعنی عید کے دن جو تکبیر کہتے ہیں با آواز بلند اس واسطے دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ دور نہیں بلند آواز سے اور فائدے کے واسطے ہے۔ ایک شخص نے حضرت سے بھی پوچھا کہ ہمارا رب دور ہے تو ہم اس کو پکاریں یا نزدیک ہے تو آہستہ بات کہیں، اس پر یہ آیت اتری۔